الزهراء ريحانة الرسول
صلى الله عليه وآله
فاطمة
عليها السلام
هَٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ
وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ

ماہی بصائر ۲

سرپرست:

حجۃ الاسلام والمسلمین جناب ڈاکٹر رضا شاکری

(نمایندہ محترم جامعۃ المصطفیٰ برای ہند)

مدیر اعلیٰ:

ڈاکٹر ذیشان حیدر عارفی

مدیر:

سید تقی عباس رضوی کلکتوی

مجلس ادارات:

حجۃ الاسلام والمسلمین سید اصل نژاد

حجۃ الاسلام والمسلمین سید منظور عالم جعفری

حجۃ الاسلام والمسلمین علی عباس حمیدی

حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر سید فیاض حسین رضوی

ناشر

المصطفیٰ اسلامک ریسرچ سوسائٹی (نمایندگی المصطفیٰ دہلی)

نمایندگی جامعہ المصطفیٰ العالمیہ -۱۸، تلک مارگ، نئی دہلی-

فہرست مطالب

- اداریہ: .... ادارہ ۴
- اسلامی مناسبتیں .... ادارہ ۵
- حضرت فاطمہ زہراؑ اسلام کی بہار .... حجۃ الاسلام دکتر رضا شاکری ۶
- معصومینؑ کی نگاہ میں حضرت فاطمہ زہراؑ کا مقام و منزلت .... علی خضر عمرانی ۹
- حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر کی خصوصیات .... سید مجتبی علی رضوی ۱۲
- امام خمینیؒ رہبر قوم تشیّع .... فلک چھولسی ۱۷
- حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی نظر میں اسلامی گھرانہ .... ڈاکٹر شازیہ مہدی ۱۸
- مدح حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام .... غلام رضا رضوی شرف ۲۶
- مصحف جناب فاطمہؑ آئمہ اطہار علیہم السلام کی نظر میں .... منہال رضا خیر آبادی ۲۷
- فاطمی طرز تربیت .... علی عباس حمیدی ۳۲
- فقہ حضرت زہرا علیہا السلام کے چند نمونہ .... سید منظور عالم جعفری ۳۹
- فدک اور خطبہ فدکیہ کا اجمالی تعارف! .... سید تقی عباس رضوی کلکتوی ۴۳
- حضرت فاطمہ زہراؑ کی عظمت علامہ اقبال کی نگاہ میں .... ڈاکٹر ذیشان حیدر عارفی ۵۲
- اہل سنت کی کتب میں حضرت زہراؑ کی شہادت کا بیان .... سجاد ربانی ۵۵
- رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت واپس ہو گئی .... علی ہاشم عابدی ۶۰
- مدح سید الساجدین علیہ السلام .... علامہ جوادی ۶۳
- حضرت ام البنینؑ انقلابی نسل کی تربیت میں آئیڈیل .... سید پیغمبر عباس بشر نوگانوی ۶۴
- شیعیوں کی صفات .... محمد تقی رضا ۶۷
- اسلامی معاشرہ میں نفاق کے اسباب و نتائج .... فیروز علی بناری ۷۱
- حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی بعض علمی وفکری سرگرمیاں .... حمید الحسن زیدی ۷۷
- شہید رابع فقیہ اہلبیت علامہ میرزا محمد کامل نور اللہ مرقدہ الشریف .... سید رضی حیدر پھندیڑوی ۸۴

***

ادار یہ:

آپ کے ہاتھوں میں موجودہ میگزین ماہ جمادی الاول اور ماہ جمادی الثانی سے مربوط ہے اس میگزین میں مذکورہ دو ماہ کی مناسبات اور دیگر اہم مضامین پر مقالے درج کئے گئے ہیں ان میں سب سے پہلے مقالہ کا عنوان **"حضرت فاطمہ زہراؑ اسلام کی بہار"** ہے اس میں مولّف نے آپؑ کی ذات کو اسلام کی بہار سے تعبیر کیا ہے کیونکہ آپؑ نے مکمل طور پر رسالت کا ساتھ دیا اور اس کے بعد امامت کے لئے سپر بن گئیں کہ جس پر پورے اسلام کا دار مدار ہے حتیٰ اسی راہ میں آپؑ اور آپؑ کے بیٹے حضرت محسنؑ شہید کر دئے گئے۔ اس کے بعد مقالہ **"معصومینؑ کی نگاہ میں حضرت فاطمہ زہراؑ کا مقام"** ہے اس میں پیغمبر اکرمؐ، مولا علیؑ، امام باقرؑ، امام جعفر صادقؑ اور امام زمانہؑ کے کلام کی روشنی میں حضرت زہراؑ کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے اسکے بعد کے مقالہ **"حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر کی خصوصیات"** کو بیان کرتے ہوے مقالہ نگار نے تحریر کیا ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کا گھر ہر اعتبار سے اسلامی فضا کا محور و مرکز ہے۔ جو نہ صرف تمام مسلمانوں بلکہ تمام عالم انسانیت کے لئے نمونہ اور آئیڈیل ہے جس کے پیش نظر زندگی کے بہت سے مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے اس کے بعد تین اہم ترین مقالے اور ہیں جن میں سے ایک کا عنوان **"مصحف جناب فاطمہ آئمہ اطہار علیہم السلام کی نظر میں"** کیونکہ ہمیشہ شیعوں پر یہ الزام تراشی کی گئی ہے شیعوں کے پاس دوسرا قرآن مصحف فاطمہ کے نام سے ہے مولف نے اس مقالہ میں ائمہ معصومین کے کلام کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے مصحف فاطمہؑ دوسرا قرآن نہیں ہے بلکہ اس میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی وصیت، مستقبل میں رونما ہونے والے حوادث اور آپؑ کی ذریت کے ساتھ پیش آنے والے حالات اسی طرح انبیاء اوصیاء اور حکمرانوں کے نام ہیں مذکور ہیں۔

دوسرا اہم ترین مقالہ **"اہل سنت کی کتب میں حضرت زہراؑ کی شہادت کا بیان:"** ہے اس مقالہ کی اہمیت اس لئے ہے کہ عامہ کا ہمیشہ یہ پروپیگنڈہ رہا ہے کہ حضرت زہراؑ طبیعی طور پر دنیا سے گئیں ان کی شہادت کا ماجرا شیعوں کا ایک افسانہ ہے مذکورہ بالا عنوان کے تحت مولّف نے اہل سنت کی معتبر اور مستند کتابوں سے شہادت کے واضح اور مدلّل ثبوت پیش کئے ہیں حتیٰ خلیفہ اول کے حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر پر حملہ کرنے کے اقرار کو بھی ان کی کتاب سے پیش کیا ہے تیسرا مقالہ **"فدک اور خطبہ فدکیہ کا اجمالی تعارف!"** ہے یہ مقالہ بھی بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ عامہ کا کہنا ہے فاطمہ زہراؑ کی کوئی میراث نہیں ہے بلکہ حضور کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے جو امت کا حق ہے اس مقالہ میں مولف نے فدک کے مختصر جائزہ کے بعد مستند طور پر پیش کیا ہے فدک کو رسول گرامی ﷺ نے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو حکم خدا **"وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ"** سے ہبہ کر دیا تھا مگر حضور ﷺ کی وفات کے بعد خلیفہ اول کے حکم سے چھین لیا گیا جس پر آپؑ نے مسجد نبوی میں صحابہ کی موجودگی میں خلیفہ کے مقابل ایک شعلہ بیان خطبہ ارشاد فرمایا جو خطبہ فدک کے نام سے معتبر کتب میں درج ہے۔ ایک مقالہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی فقہی شخصیت **"فقہ حضرت زہرا علیہا السلام کے چند نمونہ"** کے عنوان سے ہے اس میں بعض اُن احکام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کو حضرت فاطمہ زہراؑ نے خود رسول گرامیؐ سے نقل کئے ہیں یا فقہا نے آپؑ کی سیرت سے استنباط کئے ہیں مثلا: حرمت شراب، میت کے بعض احکام، کھانا کھانے کے احکام و آداب اور بچہ کی ولادت کے بعد کچھ احکام۔۔۔ ماہ جمادی الثانی میں حضرت ام البنینؑ کی وفات کی تاریخ بھی ہے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک مقالہ **"حضرت ام البنینؑ انقلابی نسل کی تربیت میں آئیڈیل"** کے عنوان سے شائع کیا جارہا ہے اس میں مقالہ نگار نے تحریر کیا ہے کہ حضرت ام البنینؑ نے جناب فاطمہ زہراؑ کے نقش قدم پر چلتے ہوے اپنے بچوں کی ایسی تربیت کی کہ سب کے سب فرزند موحّد، دیندار، متقی، پرہزگار، عبادت گزار اور امام وقت کے مطیع و فرمانبردار تھے اس کا واضح ثبوت ان سب کا کربلا کے میدان میں مقام شہادت پر فائز ہونا ہے

اس کے علاوہ اور دیگر اہم مقالات بھی اس مجلّہ میں درج ہیں جن سے اختصار کے پیش نظر چشم پوشی کر رہے ہیں نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ کی یہ تلاش و کوشش ہے کہ وہ قارئین کے لئے اچھے اور علمی مقالات کو پیش کرے خداوند منّان سے دعا ہے کہ وہ ہم کو بنحو احسن کام کرنے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اسلامی مناسبتیں

• ماہ جمادی الاول کی اہم مناسبتیں

۵/جمادی الاول ولادت حضرت زینب کبریٰ (سنہ ۵ ہجری)

۱۵/جمادی الاول ولادت امام زین العابدین علیہ السلام (سنہ ۳۸ ہجری)

۱۳/جمادی الاول شہادت حضرت زہرا سلام اللہ (سنہ ۱۱ ہجری)

• ماہ جمادی الثانی کی اہم مناسبتیں

۳ /جمادی الثانی شہادت حضرت زہرا سلام اللہ علیہا (۱۱ھ ق)

۱۲/جمادی الثانی پیغمبر (ص) کی سربراہی میں اسلامی سپاہ کا خیبر کی سمت حرکت کرنا (۷ ق)

۱۳/جمادی الثانی حضرت ام البنین (س) کی وفات (۶۴ق)

۱۵/جمادی الثانی۔ حضرت ام البنین (س) کی وفات (۶۴ق)

۱۸/جمادی الثانی عبد اللہ بن عبد المطلب کی آمنہ کے ساتھ شادی، رسول خدا (ص) کے والدین

۱۸/جمادی الثانی۔ قاضی نور اللہ شوشتری کی شہادت (۱۰۱۹ق)

۲۹/جمادی الثانی۔ محمد بن علی الہادی (ع) کی شہادت (۲۵۲ق)

حضرت فاطمہ زہراؑ اسلام کی بہار

رئیس نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ حجۃ الاسلام رضا شاکری

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا صنف خواتین میں اعلیٰ ترین انسانی اور اسلامی فرد ہیں آپؑ کے بارے میں لب کشائی بہت مشکل ہے، کیونکہ وہ فضائل کا ایک ایسا سمندر رہیں کہ جس کے ایک قطرے کی توصیف کرنا بھی ہمارے لئے آسان نہیں ہے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا وہ عظیم خاتون ہیں جن پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جبرائیل امینؑ نازل ہوتے تھے۔

امام صادق علیہ السلام کی روایت کے مطابق جبرئیل امینؑ نہ صرف حضرت زہراؑ کو تسلی دیتے تھے، بلکہ وہ مستقبل کے حالات کے بارے میں بھی آپ کو خبر دیتے تھے، جیسا کہ مندرجہ ذیل روایت میں ذکر ہے۔

مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ مَحْبُوبٍ عَنِ ابْنِ رِئَابٍ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع قَالَ: إِنَّ فَاطِمَةَ ع مَكَثَتْ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ ص خَمْسَةً وَ سَبْعِينَ يَوْماً وَ كَانَ دَخَلَهَا حُزْنٌ شَدِيدٌ عَلَى أَبِيهَا وَ كَانَ يَأْتِيهَا جَبْرَئِيلُ ع فَيُحْسِنُ عَزَاءَهَا عَلَى أَبِيهَا وَ يُطَيِّبُ نَفْسَهَا وَ يُخْبِرُهَا عَنْ أَبِيهَا وَ مَكَانِهِ وَ يُخْبِرُهَا بِمَا يَكُونُ بَعْدَهَا فِي ذُرِّيَّتِهَا وَ كَانَ عَلِيٌّ ع يَكْتُبُ ذَلِكَ.

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: فاطمہ سلام اللہ علیہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ۷۵ دن تک زندہ رہیں اور وہ اپنے والد کی وفات پر بہت غمگین تھیں حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس آتے تھے اور ان کے پدر گرامی کی وفات پر انہیں تعزیت دیتے تھے اور انہیں خوش کرتے اور ان کے والد کی حالت اور (بہشت میں) ان کے مقام و مرتبہ کے بارے میں گفتگو فرماتے اور ان کے بعد ان کی اولاد پر کیا گزرے گی خبر دیتے اور علی علیہ السلام ان باتوں کو تحریر فرماتے تھے[1]۔

جبکہ حضرت جبرئیل پوری تاریخ میں صرف ایک بار حضرت مریمؑ پر نازل ہوئے، جو کہ نبی نہیں تھیں، جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

أَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ہم نے اپنی روح کو بھیجا وہ ان کے سامنے ایک اچھا خاصا آدمی بن کر پیش ہوا[2]۔

حالانکہ امام صادق علیہ السلام کے نورانی بیان میں حضرت زہراؑ کے لئے " **كَانَ دَخَلَهَا** " آیا ہے جس کا مطلب ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت زہرا علیہا السلام کی خدمت میں مسلسل آیا کرتے تھے جس سے ان کے عظیم مقام اور عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

دو جہاں کی اس خاتون کی عظمت میں یہ کہنا چاہیے کہ روح قرآن حضرت فاطمہ زہراؑ کی حقیقت سے متصل ہے اور قرآن کی حقیقت فاطمہ زہراؑ کا وجود نازنین ہے جب اس عظیم خاتون کی شان میں سورہ کوثر نازل ہوئی تو اس وقت سورہ قدر نے اپنے معنی اور مصداق پیدا کئے یعنی

---

[1] الکافی (ط-الإسلامیة)، ج۱، ص: ۴۵۸؛ بصائر الدرجات فی فضائل آل محمد صلی اللہ علیہم، ج۱، ص: ۱۵۴؛ بحار الأنوار (ط-بیروت)، ج۲۲، ص: ۵۴۵؛

[2] سورہ مریم آیت ۱۷

صدیقہ طاہرہ ہی درواقع قدر اور شب قدر کا حقیقی مصداق ہیں ’’سورہ ھل اتی‘‘ ان کی شان میں نازل ہوا اور آیہ تطہیر ان کے گلے کا ہار تو آیہ مباہلہ ان کی پیشانی کا جھومر بنی۔

یہ وہ آیات ہیں جو اپنے مصداق کو بیان کرنے میں واضح ہیں، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت زہرأ قرآن کی حقیقت ہیں جیسا کہ بیان ہوا ہے اس سے بڑھکر یہ کہ ان کی ذات اطہر دنیا کے وجود کا سبب ہے جیسا حدیث قدسی میں ذکر ہوا ہے: «لولاك لما خلقت الافلاك و لولا علی لما خلقتك و لولا فاطمه لما خلقتكما»

علامہ امینیؒ سے اس حدیث مبارک کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ روایت صحیح ترین احادیث میں سے ہے، اس لئے یہ بات بڑی جرئت سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر فاطمہؑ نہ ہوتیں تو دنیا اور انسان پیدا ہی نہ ہوتے اس لئے فاطمہؑ عالم وجود کی حقیقت ہیں۔

ایک طرف یہ باعظمت خاتون پیغمبر ﷺ کی بیٹی ہے وہ بھی ایسی بیٹی جس کے ہاتھوں کو رسول خدا ﷺ چومتے تھے، اور ان کے استقبال میں کھڑے ہو جاتے تھے، ہر سفر میں، آپ ﷺ آخر میں ان کے گھر آتے اور وہاں سے سفر پر جاتے تھے، اور جب سفر سے واپس آتے، تو سب سے پہلے فاطمہ زہرأ کے گھر جاتے اور سلام کرتے۔ دوسری طرف یہ ایک باعصمت خاتون تھیں عصمت کا درجہ بھی عجیب ہے، غیر معمولی ہے۔ ایک جانب فاطمہ زہرأ اس علیؑ بن ابی طالبؑ کے برابر ہیں جو عظمت اور کمال میں اس بلندی پر فائز ہیں کہ آنکھوں نے پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد ان کے جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ دوسری جانب وہ چار چمکتے سورجوں کی مادر گرامی ہیں جن میں سے دو امام معصوم ہیں اس کے علاوہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی مبارک نسل کی پہلی کڑی ہیں کہ آج سے ساڑھے چودہ سو سال کے بعد بھی پوری دنیا میں لاکھوں انسان اس نورانی نسبت سے منسوب ہیں جس کی سربراہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی نازنین بیٹی کے بارے میں فرمایا: "وہ تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہیں" اور اسی طرح فرمایا: وہ "جنت کی عورتوں کی سردار" ہیں حضرت سارہؑ، آسیہؑ، حواؑ اور مریمؑ یہ تمام تاریخ کی عظیم خواتین "جنت کی خواتین" ہیں، لیکن یہ باعظمت خاتون "جنت کی عورتوں کی سردار" ہے۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی عظمت انتہائی حیرت انگیز اور بلند ہے۔ حسن بصری جو کہ زہاد ثمانیہ میں سے ایک ہے جس کا اہل بیتؑ سے رابطہ بھی اتنا اچھا نہیں ہے اس کا کہنا ہے ’’ما كان فی هذه الامّة اعبد من فاطمة كانت تقوم حتّی تورّم قدماها‘‘ اس دنیا میں فاطمہؑ سے زیادہ کوئی عبادت گزار نہ تھا وہ اتنا عبادت کرتی تھیں کہ ان کے پاوں ورم کر جاتے تھے حسن بصری کی اس تعبیر «ما كان اعبد من فاطمة» کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے جیسا کوئی تھا یا کچھ لوگ اس قسم کے تھے جن میں سے ایک حضرت فاطمہ زہرأ بھی ہیں بلکہ، عربی تعبیرات میں اس کا مطلب یہ ہے کہ امت میں کوئی بھی عبادت کے لحاظ سے ان کے جیسا نہیں تھا لہذا حسن بصری یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی امت میں بنت رسول حضرت فاطمہ زہرأ سے بڑا کوئی عابد نہ تھا جب کہ حسن بصری نے فاطمہ زہرا کے دور کو نہیں دیکھا، لیکن ان کا یقین کے ساتھ یہ کہنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ بات متواترات اور مسلمات میں سے تھی جو اس زمانہ کے مسلمانوں میں عام تھی۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس عظیم خاتون کی زندگی کی تاریخ بالکل تاریخ رسالت سے ملتی جلتی ہے یہ اٹھارہ سالہ خاتون اپنی تمام مختصر سی زندگی میں اپنے پدر گرامیؐ کے مشن اور اپنے شوہر کی ولایت کے لئے ظلم کے طوفانوں کے مقابل شمع فروزاں بن کر کھڑی رہی ان کی تاریخ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کی تاریخ ہے، جو حضورؐ کی رسالت کے ساتھ ساتھ مطلع انوار پر چمکی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد تین مہینہ کے اندر رہی آہستہ آہستہ غروب ہوگئی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی زندگی پوری طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور سے مطابقت رکھتی ہے۔ انھوں نے بچپن میں شعب ابی طالبؑ کی سختیوں کو محسوس اور درک کیا، اور بچپن سے ہی زندگی کے مشکل میدانوں میں داخل ہوگئیں، جس میں اپنی مادر گرامی کو کھودیا، جو اس عمر میں ایک لڑکی کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن اس کو برداشت کرتے ہوئے بہت عظیم کام انجام دیئے ان میں ایک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غمگساری ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جنھوں نے حضرت خدیجہؑ اور جناب ابی طالبؑ دونوں کو کھودیا تھا، انھیں ایک غمگسار کی ضرورت تھی لہذا آپ کی یہ چہیتی اور لاڈلی بیٹی اپنے باپ کی غمگسار بن گئی

اور یہ غم گساری اسی طرح جاری ساری رہی یہاں تک کہ مدینہ منورہ، احد، خندق اور کئی دوسرے مقامات پر بھی، جس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''فَاطِمَۃُ اُمُّ اَبِیہا''، فاطمہ اپنے باپ کی ماں ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وہ کردار ادا کیا جو مشکلات میں ماں کا ہوتا ہے پھر ہجرت کا مسئلہ، مدینہ کے دور کی انوکھی آزمائشوں میں، علیؑ بن ابی طالبؑ کے ساتھ ایک بیوی کی شکل میں ایک اہم کردار ادا کیا، کہ جس کے شوہر کا ایک پاؤں گھر میں، ایک پاؤں میدان جہاد میں- ان مشقتوں کو برداشت کرنا- اور پھر تاریخ کے بے مثال چار بچوں کی پرورش۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اپنے بیٹے محسن کی پہلی قربانی، اور آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے چند ماہ بعد خود اپنی شہادت کا پیش کرنا ہے

جی ہاں اس اٹھارہ سالہ عظیم خاتون نے اپنی مختصر سی زندگی میں دنیا پر ایک ایسا اثر چھوڑا جو قیامت تک ہمیشہ روشن رہے گا اور اسی لئے جب تک فاطمہؑ کے گھر کی شمع روشن ہے، یہ دنیا کا نظام بھی برقرار اور پابرجا ہے۔

ہمیں یقین ہے بی بی دو عالم حضرت فاطمہ زہراؑ کا آخری بیٹا جو زمین پر خدا کی آخری حجت ہے، دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا، مظلوموں کی مدد کرے گا اور ظالموں کے پنجوں کو مروڑ کر رکھ دے گا اور مستضعفین کو زمین کا وارث بنائے گا۔

معصومینؑ کی نگاہ میں حضرت فاطمہ زہراؑ کا مقام و منزلت

علی خضر عمرانی

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی عظمت کیلئے یہ کافی ہے کہ آپ کا خاندان عرب اور مسلمانوں میں سب سے افضل و برتر ہے آپؑ کے والد گرامی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور والدہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا ہیں جو عورتوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والی خاتون ہیں ، آپ کے شوہر نامدار علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی اور خلیفہ بلا فصل ہیں، بیٹے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام جنت کے جوانوں کے سردار اور جناب زینب و ام کلثوم جیسی بیٹیاں ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہو کر خدا قرآن مجید میں ارشاد فرمارہا ہے: يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۔ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا [1] لیکن جب خداوند متعال نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فاطمہؑ عطا فرمائی تو اب خدا نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں خطاب کیا: إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ [2] بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا بس اب آپ اپنے رب کی عبادت کیجئے اور قربانی دیجئے۔

ان دو آیات سے نتیجہ یہ نکلا کہ جو خدا اپنے نبی سے یہ فرمارہا تھا کہ رات میں (عبادت) کیلئے کم کھڑے ہوا کرو۔ اب گویا وہ یہ کہہ رہا ہے کوثر ایسی عظیم نعمت ہے جس پر اپنے رب کیلئے نماز پڑھو اور قربانی دو۔

فضائل جناب زہرا سلام اللہ علیہا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں:

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: "خلق نور فاطمة قبل ان تخلق الارض و السماء فقال بعض الناس : یا نبی الله! فلیست هی انسیة ؟ فقال : فاطمة حوراء انسیة " آسمان و زمین کی خلقت سے پہلے فاطمہؑ کا نور خلق ہوا، بعض لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! کیا وہ بشر نہیں ہیں؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: فاطمہؑ انسانی حور ہیں۔ [3]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی لخت جگر جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا نام فاطمہ رکھنے کی علت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "سمیت فاطمة لان الله فطمها و ذریتها من النار..." فاطمہؑ نام اس لئے رکھا گیا کیونکہ اللہ نے ان کو اور ان کی ذریت کو جہنم کی آگ سے نجات دی ہے۔ [4]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت جو شیعہ اور اہل سنت کتب میں واضح طور پر موجود ہے کہ جب بھی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں، تو آپ اپنی جگہ سے بلند ہوتے، بوسہ دیتے اور احترام کے ساتھ اپنی جگہ بٹھاتے۔ علماء اس سیرت کے ذیل میں

---

[1] سورہ مزمل آیۃ ا۔ ۲

[2] سورہ کوثر آیۃ ا۔ ۲

[3] عبد اللہ بحرانی، العوالم ج ۶، ص ۹

[4] بحار الانوار ج ۴۳، ص ۱۸

فرماتے ہیں پیغمبر اسلام صلى الله عليه وآله وسلم کا جناب زہرا سلام اللہ علیہا کیلئے یہ طرز ادب و احترام اس لئے نہیں تھا کہ آپ ان کی بیٹی تھیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو تمام مسلمین کو بھی اپنی بیٹی کیلئے کم از کم از باب استحباب یہ عمل کرنا چاہئے تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خاص احترام جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے مقام و منزلت کی بنا پر تھا۔

امیر المؤمنین علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کی نگاہ میں مقام جناب زہرا سلام اللہ علیہا

امام علی علیہ اسلام فرماتے ہیں: " ان الحسن و الحسین سبطا هذه الامة و هما من محمد کمکان العینین من الراس و اما من فکمکان الید من البدن و اما فاطمة فکمکان القلب من الجسد " حسنؑ و حسینؑ اس امت کے نواسے ہیں اور وہ دونوں حضرت محمد صلى الله عليه وآله وسلم کیلئے سر مبارک میں دو آنکھوں کی طرح ہیں اور میں (علیؑ) (پیغمبر کیلئے) بدن کے دائیں حصہ کی مانند ہوں اور فاطمہ (پیغمبر اسلام صلى الله عليه وآله وسلم کیلئے) قلب کی مانند ہیں۔[1]

امام علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں "فو الله لا اغضبتني ولا عصت لي امرا و لقد کنت انظر الیها فتنکشف عني المهموم والاحزان " اللہ کی قسم (فاطمہؑ نے) مجھے کبھی غصبناک نہیں کیا اور نہ ہی کسی بھی کام میں میری مخالفت کی اور جب بھی ان کو دیکھتا تو میرا رنج و غم ختم ہوجاتا۔[2]

علماء اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں امام علی علیہ السلام کو دنیا مشکل کشاء پکارتی ہے، لیکن علیؑ کیلئے مشکل کشاء حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی ذات گرامی ہے۔ وہ علی جو بعد وفات پیغمبر صلى الله عليه وآله وسلم مظلومانہ زندگی گزار رہے تھے جب جناب زہرا سلام اللہ علیہا کے چہرہ مبارک کا دیدار فرماتے تو ان کے تمام غم و اندوہ دور ہوجایا کرتے تھے۔

امام باقر علیہ السلام کی نگاہ میں مقام جناب زہرا سلام اللہ علیہا

امام باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں "لَقَدْ کَانَت (س) مَفْرُوضَةَ الطَّاعَةِ عَلَی جَمِیعِ مَنْ خَلَقَ اللهُ مِنَ الْجِنِّ وَ الْإِنْسِ وَ الطَّیرِ وَ الْوَحْشِ وَ الاَنبیاءِ وَ الْمَلَائِکَةِ" بیشک جس چیز کو خدا نے خلق کیا ہے وہ چاہے جن و انس و پرندوں میں سے ہو یا انبیاءؑ و ملائکہؑ میں سے ہو سب پر ان (فاطمہؑ) کی اطاعت واجب ہے۔[3]

امام صادق علیہ السلام کی احادیث کی روشنی جناب زہراس کا مقام

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں " فمن عرف فاطمة حق معرفتها فقد ادرك لیلة القدر " جس نے بھی فاطمہؑ کی حقیقتاً معرفت حاصل کرلی بیشک اس نے لیلۃ القدر کو درک کرلیا۔[4]

---

[1] بحار الانوار ج ۳۹، ص ۳۵۲

[2] بحار الانوار ج ۴۳ ص ۱۳۴

[3] دلائل الامامۃ ص ۲۸

[4] بحار الانوار ج ۴۳ ص ۶۵

اس روایت کی روشنی میں جناب زہرا سلام اللہ کی معرفت لیلۃ القدر کی معرفت کے مساوی ہے اور لیلۃ القدر کو درک کرنا ہر ایک انسان کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ فقط اور فقط آئمہ معصومین علیہم السلام لیلۃ القدر کو مکمل درک کر سکتے ہیں۔

ایک دوسری روایت جو امام صادق علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے آپؑ فرماتے ہیں " لولا ان امیر المومنین علیه السلام تزوجها لما کان لها کفو الی یوم القیامة علی وجه الارض آدم فمن دونه "اگر امیر المؤمنین (علی بن ابی طالبؑ) جناب زہرا سلام سے ازدواج نہ فرماتے تو روز قیامت تک ان (فاطمہ س) کا کوئی بھی کفو نہیں تھا۔[1]

علماء تشیع اس روایت اور اس کے مثل روایات سے مدد لیتے ہوئے جناب زہرا سلام اللہ علیہا کی تمام انبیاء (پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ) پر برتری کو ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں بیشک آپ پیغمبر ختمی مرتبت اور حضرت امیر المؤمنین کے بعد تمام عالم انسانیت پر فضیلت اور برتری رکھتی ہیں۔

حضرت فاطمہ زہرا امام مہدی عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کی نگاہ میں:

امام مہدی عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف اپنے کسی خط میں جناب زہرا سلام اللہ علیہا کیلئے کچھ یوں فرماتے ہیں " فی ابنة رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم لی اسوة حسنة "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی میرے لئے نمونہ عمل ہے۔یہ جملہ کسی اور کا نہیں بلکہ روی زمین پر خدا کی حجت اور اس کے حقیقی خلیفہ کا جملہ ہے،جو جناب زہرا سلام اللہ علیہا کی عظمت و منزلت کیلئے کافی ہے ۔

نتیجہ: جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا وہ ہستی ہیں جو فضائل و کمالات کا سرچشمہ ہیں۔ عالم بشریت پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر کے کمالات کو درک کرنے سے عاجز ہے۔ لہذا ایسی ہستی کیلئے کوئی مضمون یا مقالہ لکھنا آسان نہیں ہے مگر یہ کہ خود اس بی بی کے ہم پلہ افراد کے بیانات کی روشنی میں جناب زہرا سلام اللہ علیہا کے مقام و مرتبہ کو سمجھا جائے۔

---

[1] ناسخ التواریخ،ج۱،ص۴۶-علل الشرایع،ص۱۷۸،باب ۱۴۳،حدیث ۳-بحار الانوار،ج۴۳،ص۱۰-اصول کافی،ج۱،ص۵۲۴،حدیث۱۰

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر کی خصوصیات

سید محمد مجتبیٰ علی رضوی

ایک بہترین زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اچھی اور معیاری زندگی کے تمام اصول و قوانین سے بقدر ضرورت آشنا ہوں، اور پھر ان قوانین پر عمل پیرا ہوں اور ان ہی معیار کے مطابق ہم اس کے نمونوں کو تلاش کرتے ہوئے ان کو اپنا نمونہ عمل (IDEAL) بنا کر ان کی پیروی کریں، ہمیں اس کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ ہمارے پاس اہل بیت اطہار علیہم السلام کا پورا سلسلہ موجود ہے جن سے ہم وابستہ بھی ہیں ان سے بڑھ کر نمونہ عمل اور کہیں ملے گا بھی نہیں۔ لہٰذا ہمیں ان کی ہی اتباع کرنا چاہیئے، اہل بیتؑ کے گھرانے کی ہر فرد ہمارے لئے قابل اتباع اور نمونہ عمل ہے جو ہماری زندگی کے ہر لمحہ اور ہر مرحلہ کے لئے کافی ہے اور ہر دور میں ان کی اتباع ممکن ہے۔ لہٰذا ہم یہاں شہزادی کونین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بیت الشرف کی کچھ خصوصیات کو پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تا کہ ہمارے لئے مشعل راہ ہو سکے اور ہم شہزادی کے فیوض و برکات سے مزید فیضیاب ہو سکیں اسی مناسبت سے آپ کی زندگی کے کچھ لمحوں، گوشوں اور آپ کی کچھ احادیث کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس سے اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ جناب سیدہ کے گھر کا ماحول کیسا تھا اور ہم کوشش کریں کہ اپنے گھروں کو اس قالب میں ڈھال سکیں۔

گھر کا کام بھی عبادت ہے

عام طور سے عورتیں گھر کے کاموں میں مصروف رہتی ہیں یہ صرف ان کی عادت اور قومی روایت نہیں ہے بلکہ اسلامی تعلیمات کا ایک اہم حصہ ہے، اس کے بارے میں حضرت زہراءؑ یوں فرماتی ہیں: "اَدْنَى مَا تَكُونُ مِنْ رَبِّهَا اَنْ تَلْزِمَ قَعْرَ بَيْتِهَا"[1] عورتوں کا گھر کے کام کاج میں مصروف رہنا خدا کے نزدیک سب سے بہتر عمل ہے اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے، یعنی عورتیں جو کام اپنے شوہر کے گھر آنے کے بعد اپنے ذمہ لیتی ہیں اور تاحیات اس کی پابندی کرتے ہوئے بحسن و خوبی انہیں انجام دیا کرتی ہیں تو ان کا وہ کام صرف قومی اور سماجی اہمیت کا حامل ہی نہیں بلکہ دین و شریعت کی نظر میں بھی قابل اہمیت اور لائق ستائش ہے اور خداوند عالم اس پر اجر و ثواب بھی دیتا ہے یہاں تک کہ خواتین کا یہی کام ان کے لئے نجات کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ ایک خصوصیت یہ تھی کہ خود شہزادی کونین ہونے کے باوجود گھر کے کام انجام دیتی تھیں اور وہ بھی بخوشی اور پورے انہماک سے۔

پردہ کا معیار

یوں تو اکثر لوگ بحث و گفتگو کرتے نظر آتے ہیں کہ پردہ کس طرح کا ہونا چاہیئے؟ کیسا ہونا چاہیئے؟ پردہ کریں یا نہ کریں؟ وغیرہ۔ لیکن ہمارے لئے نمونہ عمل شہزادی زہراءؑ کا وہ پیغام ہے جس میں آپ نے پردہ کے لئے ایک معیار (Parameter) طے کر دیا۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک دن رسالتمآب ﷺ آپ کے بیت الشرف میں تشریف لائے اور سلام کے بعد اندر آنے کی اجازت چاہی، حضرت فاطمہ زہراءؑ

[1] مستدرک الوسائل، ج ۱۴، ص ۱۸۲

نے عرض کی کہ باباجان آپ کو اجازت کی کیا ضرورت ہے ؟ آپ نے فرمایا بیٹی میرے ساتھ فلاں صحابی بھی موجود ہیں، تب آپ نے پیغمبر اسلام ﷺ کو رکنے کے لئے کہاپھر کچھ دیر کے بعد اندر آنے کی اجازت دے دی، جب پیغمبر اسلام ﷺ نے روکنے کا سبب دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ باباجان اس وقت میرے سر پر چادر نہیں تھی، آپ نے فرمایا بیٹی وہ تو نابینا ہے، بی بی نے عرض کی کہ بابا ! ''اِنۡ لَمۡ يَكُنۡ يَرَانِي فَإِنِّي أَرَاهُ وَ هُوَ يَشُمُّ الرِّيحَ ''[1] اگرچہ وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا لیکن میں تو اسے دیکھ سکتی ہوں اور وہ میری بو سونگھ سکتا ہے''۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ خواتین کبھی بھی بلاضرورت نامحرم کو نہ دیکھیں۔ اسی کے ساتھ جناب سیدہ نے یہ بھی بیان فرمایا: ''خَيْرٌ لِلنِّسَاءِ أَنۡ لَا يَرَيۡنَ الرِّجَالَ وَ لَا يَرَاهُنَّ الرِّجَالُ''[2] عورتوں کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ مردوں کو نہ دیکھیں اور نہ مرد، ان کو دیکھیں۔

اس حدیث میں جہاں ایک طرف پردہ کا ماحول معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کس قدر پردہ کا اہتمام تھا وہیں دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ کے گھر میں اجازت لے کر ہی اندر داخل ہونا ہے، چاہے وہ کائنات کا رسول ہی کیوں نہ ہو، یہ قانون اب گھروں میں کم ملتا ہے بہت سے گھرانے اب بھی ایسے ہیں جہاں کچھ رشتہ دار اجازت لئے بغیر ہی گھر میں آجاتے ہیں اور کسی کو بھی پردہ اور حجاب کا خیال نہیں ہوتا ہے بنی اکرم ﷺ جیسے پدر بزرگوار ہیں لیکن اجازت لے کر گھر میں آرہے ہیں یہ عملی سبق ہے ہمارے لئے کہ چاہے باپ ہی بیٹی کے گھر جارہا ہو لیکن اس کو اجازت لے کر داخل خانہ ہونا چاہیئے۔

دوسرا پہلو یہ بھی ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنے ساتھ دوستوں کو بھی بلاجھجک گھر میں لے آتے ہیں اور ماں بہن اور خواتین کے پردہ کا لحاظ نہیں رکھتے ہیں تو ان کے لئے بھی سبق ہے کہ اجازت لے کر ہی گھر کے اندر جائیں۔

گھر کا حاکم کون ؟

عام طور سے کبھی گھر میں مرد اپنی من مانی کرنا چاہتے ہیں تو کبھی خواتین اپنی حکومت اور بالادستی قائم رکھنے کے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار رہتی ہیں، کبھی تو مرد اور عورتیں ایک دوسرے پر حاوی ہونے کے لئے روزانہ کوئی نہ کوئی حیلہ و بہانہ تلاش کرتے رہتے ہیں لیکن گھر میں کس طرح رہنا چاہیئے اس کا طریقہ حضرت فاطمہ زہراؑ نے صاف صاف بیان فرمایا ہے۔ مولائے کائنات کے ایک سوال کے جواب میں آپؑ نے یوں فرمایا: ''فَالۡبَيۡتُ بَيۡتُكَ وَ النِّسَاءُ تَتۡبَعُ الرِّجَالَ لاَ أُخَالِفُ عَلَيۡكَ بِشَيۡءٍ''[3] یہ گھر آپ کا ہے اور عورتیں مرد کی تابع ہیں لہٰذا میں آپ کی مخالفت نہیں کروں گی، اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کی اصل شاہی شوہر کی بات ماننے میں ہے، لیکن یہ بھی قابل ذکر ہے کہ یہ کلی قاعدہ نہیں ہوگا کیونکہ جہاں شوہر کی بات دین و شریعت کے مخالف ہوگی وہاں دین کی اطاعت لازمی ہوگی اور شوہر کو مشورہ دینا اور ان سے گفتگو کرنا بھی عورت کی خاص ذمہ داریوں میں سے ہے۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۹۱

[2] کشف الغمہ، ج ۲، ص ۲۳

[3] بیت الاحزان، ص ۱۴۴

دوسری بات یہ کہ مولائے کائنات کاجناب سیدہ سے سوال کرنااس بات کاثبوت ہے کہ اگرچہ شوہر کوگھر کی حاکمیت اور سرپرستی حاصل ہے لیکن اسے بھی من مانی نہیں کرنی چاہیئے اور زوجہ پر کسی حکم یافرمان کو تھوپنا نہیں چاہیئے مولائے کائنات کاجوارادہ تھااس کو سوال کے قالب میں ڈھال کرجناب سیدہ کے سامنے رکھاتاکہ آپ کواس امر کی اطلاع بھی ہوجائے اور آپ کانظریہ بھی معلوم ہوجائے۔

حضرت فاطمہ زہراکاگھرمیں محنت ومشقت کرنا

دنیامیں توعام طور سے یہی ہوتاہے کہ جہاں مقام ومرتبہ بڑھتاہے تواس دنیوی مقام ومرتبہ والے خود کواتنابلند سمجھ لیتے ہیں کہ اپنے روزمرہ کے چھوٹے موٹے کام کرنااور اپنے معمولات زندگی کو خود انجام دینااپنی توہین سمجھتے ہیں لیکن جوخداوندعالم کی طرف سے مقام ومرتبہ کے حامل ہوتے ہیں ان کے مرتبے جتنے بڑھتے ہیں وہ اتناہی اپنے فرائض کو بخوبی انجام دیتے ہیں چاہے روزمرہ کے چھوٹے موٹے کام ہوں یامعاشرہ وسماج کے امور کی انجام دہی ہووہ سب کوانجام دیتے ہیں اسی طرح جناب سیدہ حضرت فاطمہؑ کی ذات والاصفات ہے کہ جواس قدر مقام ومرتبہ اور عظمت وشان کے باوجود اپنے گھر کاساراکام خودانجام دیتی تھیں، جس کوجناب امیرؑ نے ان الفاظ میں بیان کیاہے چنانچہ آپ حضرت فاطمہ زہراسلام اللہ علیہا کے بارے میں فرماتے ہیں: اِنَّهَا اسْتَقَتْ بِالْقُرْبَةِ حَتّٰى اَثَّرَ فِي صَدْرِهَا وَطَحَنَتْ بِالرَّحَى حَتّٰى مَجِلَتْ يَدَاهَا وَكَسَحَتِ الْبَيْتَ حَتّٰى اغْبَرَّتْ ثِيَابُهَا وَاَوْقَدَتِ النَّارَ تَحْتَ الْقِدْرِ حَتّٰى دَكِنَتْ ثِيَابُهَا فَاَصَابَهَا مِنْ ذٰلِكَ ضَرَرٌ شَدِيدٌ[1] حضرت فاطمہ زہراؑ مشکیزہ سے اتناپانی بھراکرتی تھیں کہ ان کے سینہ پراس کے نشانات پڑ گئے اور چکی سے اتنا آٹاپیساکرتی تھیں کہ ہاتھوں میں گھٹاّ پڑ گیا،گھرمیں اتنا جھاڑو دیاکرتی تھیں کہ لباس خاک آلود ہوجایاکرتے تھے چولہے میں اتنی لکڑیاں جلائیں (کھاناپکانے میں) کہ لباس سیاہ اور غبار آلود ہوگئے اور ان کاموں کی وجہ سے آپ کوبہت پریشانیاں برداشت کرناپڑیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مولاکاگھربہت بڑاتھااور کھانابہت زیادہ پکتاتھابلکہ یہ مسلسل کام کرنے کی طرف اشارہ ہے اس کے مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ شہزادی کونین گھرکے کاموں میں مشغول رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ خادمہ کے آنے کے بعد بھی اسی طرح گھرکے کاموں میں مشغول ومصروف رہیں۔

گھرکے خادم وخادمہ کے ساتھ برتاو

بہت مشہوربات ہے کہ جناب فضہ کنیز کی حیثیت سے حضرت زہراؑ کے گھرتشریف لائیں تھیں لیکن جناب سیدہ نے انہیں اتنااحترام اور درجہ دیاکہ دنیااس کی مثال لانے سے قاصر وعاجز ہے۔ ایک دن سلمان فارسیؓ نے ملاحظہ کیاکہ فضہ کی موجودگی میں حضرت زہراؑ گھر کے کاموں میں مشغول ہیں توعرض کیابنت رسول کنیز موجود ہے پھر آپ کیوں کام کررہی ہیں اس پر آپؑ نے جواب دیاکہ اے سلمان '' اَوْصَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ اَنْ تَكُونَ الْخِدْمَةُ لَهَا يَوْماً اَمْسِ يَوْمٍ خَدَمَتُهَا''[2]۔ رسول خدانے مجھے

---

[1] علل الشرایع، ج۲، ص:۳۶۶

[2] بیت الاحزان، ص۲۰

وصیت کی ہے کہ گھر کے کام ایک دن میں کروں اور ایک دن فضہ کریں تو کل فضہ نے سارے کام کئے تھے اور آج میری باری ہے اس لئے میں ان کاموں کو انجام دے رہی ہوں۔

کنیز یا خادمہ کے گھر میں ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم گھر کے ہر کام روزانہ اسی سے کرائیں یہ اسلامی مزاج نہیں ہے۔ جس طرح اگر کسی گھر میں ایک سے زیادہ خواتین ہونے کی صورت میں آپس میں وہ کام بانٹ لیتی ہیں اور اس طرح گھر کی ساری خواتین مل جل کر روزانہ کے کام انجام دیتی ہیں لیکن خادمہ کے آتے ہی اکثر گھروں کا یہ اصول بدل جاتا ہے اور پھر سارا چھوٹا بڑا کام اسی خادمہ کے سر ہو جاتا ہے۔ لیکن پیغمبر اسلام نے کنیز و خادمہ کو افراد خانہ کی طرح برابری کا درجہ دیتے ہوئے گھر کے کاموں کی تقسیم کر دی یہ ہے اسلامی عدل و مساوات کی ایک اعلی مثال۔

شوہر کو خوش رکھنا زوجہ کا کمال ہے

عام طور سے شوہر اور زوجہ میں نوک جھوک اور تکرار ہوا کرتی ہے کبھی شوہر ناراض تو کبھی زوجہ ناراض، کبھی شوہر نے زوجہ کو منایا تو کبھی زوجہ نے شوہر کو منایا، یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور ان سب چیزوں کو اچھی اور خوشحال زندگی کی پہچان بھی کہا جاتا ہے، لیکن جہاں بات اس سے آگے بڑھ جاتی ہے اور لڑائی جھگڑے کی بات آجاتی ہے تو ایسے موقعوں کے لئے حضرت فاطمہ زہراؑ نے اپنے بابا کی ایک حدیث بیان فرمائی ہے: ''قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَآلِه:وَيۡل لِاۡمۡرَأَةٍ اَغۡضَبَتۡ زَوۡجَهَا وَطُوبىٰ لِاِمۡرَاةٍ رَضِيَ عَنۡهَا زَوۡجُهَا''[1] آپ فرماتی ہیں: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وائے ہو اس عورت پر کہ جو اپنے شوہر کو ناراض کرتی ہے اور خوشا بحال اس عورت کا کہ جو اپنے شوہر کو خود سے راضی و خوش رکھتی ہے۔ جہاں تک ہو سکے شوہر کو خوش رکھنا چاہیئے گھر کا ماحول اچھا رکھنا چاہیئے۔

بہت سی عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ شوہر کا کوئی خیال نہیں رکھتی ہیں نتیجہ میں شوہر اس طرح کی زوجہ سے ہمیشہ ناراض و نالاں رہتا ہے اور یہ عورت اپنے اس طرح کے رویہ سے اپنا دوہرا نقصان کر لیتی ہے ایک نقصان یہ کہ شوہر کی نگاہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی اور اس کی اس دنیا کی زندگی بھی عذاب بن جاتی ہے اور دوسرا نقصان یہ کہ آخرت والی زندگی میں بھی اس کے حصے میں صرف جہنم اور اس کا عذاب ہی آتا ہے۔ اس طرح شوہر کو ناراض کر کے وہ اپنی نادانی میں دنیا و آخرت دونوں کا نقصان کر لیتی ہے۔

اچھا انسان کون ہے؟

آپ نے مردوں کے لئے بھی نصیحت فرمائی ہے گھر کا ماحول اچھا رکھنے اور اچھی زندگی کے لئے زوجہ اور شوہر دونوں کو اپنی ذمہ داریاں بخوبی نبھانی ہو گی۔ گھر کو اچھا رکھنا صرف عورتوں کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ مردوں کی بھی برابر کی ذمہ داری ہے مردوں کو بھی اپنے حصے کا سارا کام بخوبی نبھانا چاہیئے جب حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہ زہراؑ کی شادی ہوئی تو اس کے اگلے دن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں حضرات کو بخوبی مشترکہ زندگی گزارنے کے لئے نصیحت فرمائی جس میں سے ایک اہم کاموں کی تقسیم کی تھی اور وہ بھی اس طرح کہ گھر کے تمام کام عورتوں کی ذمہ داری ہوتی ہے اس لئے وہ سارے کام حضرت فاطمہؑ کے ذمہ اور گھر سے باہر کے تمام کام مردوں کی ذمہ داری ہوتی ہے لہذا

[1] بحار الانوار، ج ۸، ص ۳۱۰

باہر کے سارے کام حضرت علیؑ کے ذمہ میں دیئے، اس طرح شادی کے بعد شروع ہونے والی مشترکہ زندگی کا توازن بھی قائم و دائم رہتا ہے اور زندگی بھی شاد و آباد رہتی ہے۔ ہر انسان کو اپنی زوجہ کا خیال رکھنا چاہیئے کم از کم یہی سوچ کر کے اس کی زوجہ اس سے رشتہ ہونے کے سبب اپنے سارے رشتوں کو چھوڑ کر اس کے پاس آئی ہے۔ لہٰذا آپ مردوں کے لئے فرماتی ہیں: " خِيَارُكُمْ اَلْيَنُكُمْ مَنَاكِبُهُ وَ اَكْرَمُهُمْ لِنِسَائِهِمْ "[1] تم سب میں سب سے بہترین اور اچھا وہ شخص ہے جو لوگوں کے درمیان نرم خو اور متواضع ہو اور اپنی زوجہ کا احترام کرتا ہے۔ صرف عورتوں پر ہی ذمہ داری نہیں ہے مردوں پر بھی ذمہ داری ہے کہ وہ خواتین کو ان کا درجہ دیں صرف اپنے کو حاکم سمجھ کر من مانی نہیں کرنی چاہیئے۔

اصلی شیعہ کون ہے؟

ہر کوئی خود کو " حقیقی شیعہ "یا" پکا شیعہ " کہتا اور سمجھتا ہے، اور اسی فکر و خیال کے تحت وہ جنت کو اپنی جاگیر سمجھتے ہوئے خود کو اس کا عویدار سمجھتا ہے اور نتیجہ میں عمل سے دور ہو جاتا ہے لیکن حضرت زہراؑ نے اس خیال کو سرے سے باطل کرتے ہوئے ایک معیار بیان فرمادیا کہ شیعہ کو عمل سے بھی آراستہ ہونا چاہیئے بلکہ شیعہ وہی ہے جو عمل سے اہل بیتؑ کا پیروکار ہو، چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو حضرت فاطمہؑ کی خدمت میں یہ سوال لے کر بھیجا کہ کیا ہم آپ کے حقیقی شیعہ ہیں تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: اِنْ كُنْتَ تَعْمَلَ بِمَا اَمَرْنَاكَ وَتَنْهى عَمَّا زَجَرْنَاكَ عَنْهُ فَاَنْتَ مِنْ شِيْعَتِنَا وَ اِلَّا فَلاَ "[2]۔ ہم نے جن کاموں کو انجام دینے کا حکم دیا ہے اگر تم اسے انجام دیتے ہو اور جن کاموں سے روکا ہے ان سے پرہیز کرتے ہو تو تم ہمارے شیعہ ہو ورنہ نہیں ہو۔ اس بات سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ شیعہ ہونے کے لئے باعمل ہونا چاہیئے بغیر عمل کئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ شیعہ کی پہچان ہی اس کے عمل سے ہونی چاہیئے۔ اور اس کے عمل کا معیار اہل بیت اطہار ہیں کیونکہ ان کی اتباع ہی دین ہے۔

آخر کلام

مذکورہ باتوں کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلامی قوانین کی عملی صورت حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر میں موجود تھی اور اسلامی قوانین پر مکمل طور پر وہاں عمل ہو رہا تھا اور بڑی بات یہ ہے کہ ان کے گھر کا ماحول اسلامی اور اتنا بہترین تھا کہ حبش کی رہنے والی فضہ جیسی بھی اتنی تربیت یافتہ ہو گئیں کہ بیس سال تک قرآن میں گفتگو کی، جس کی خادمہ کی یہ حالت ہے اس گھر کی نسل کی کیا بات ہو گی۔ گھر کے کام کرنا، شوہر کی خدمت کرنا، بچوں کی پرورش، پردہ کا اہتمام، کنیز اور خادمہ سے حسن سلوک کرنا، شوہر کی اطاعت کرنا آپ کے یہ سب وہ خصوصی امتیاز ہیں جو رہتی دنیا تک کے لئے معیار عمل ہیں اگر گھر کا ماحول پر سکون رکھنا ہو اور اسلامی اور الٰہی نظام بنانا ہو تو اس معصوم گھرانہ کی تہذیب کو اپنانا ہو گا، جس میں دنیا و آخرت کی سعادت ہے۔

---

[1] نہج الحیاۃ، ص ۱۵۷

[2] کمال الدین، ج ۲، ص ۴۳۰

اسی طرح مردوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ اپنے گھر کی خواتین خصوصا بیوی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے زبردستی مرد ہونے کی دھونس نہ جمائے بلکہ اپنے اخلاق اور اپنے رویہ سے اس کا دل جیت لے۔ اس کا خیال رکھے زوجہ کا احترام کرے اسے اپنے برابر کا درجہ دے اپنی کنیز یا غلام نہ سمجھے بلکہ برابری کا درجہ دینا اسلامی قانون ہے، خداوند عالم ہم سب کو اپنے گھروں میں اسلامی ماحول اور تہذیب جناب سیدہ کو عملی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خمینیؒ رہبرِ قوم تشیع

اے خمینی رہبرِ قومِ تشیّع السّلام
اے خمینی مردِ میدانِ تواضع السّلام

اے خمینی پیکرِ صبر و شجاعت السّلام
اے خمینی مظہرِ وصفِ عدالت السّلام

اے خمینی دیں کے حامی اے محافظ السّلام
اے خمینی مصحفِ وحدت کے حافظ السّلام

ظلم کے چھکّے چھڑائے تیری ہمت کو سلام
کر رہے ہیں سورما بھی تیری جرآت کو سلام

پیروِ ابنِ مظاہر روح و جانِ انقلاب
تجھ سے ہی ایران میں قائم ہے شانِ انقلاب

اے مجاہد فی سبیل اللہ اے روحِ خدا
تو نے ایوانِ ستم تحریر سے لرزا دیا

ہو گئی دنیا پہ ظاہر طاقتِ نوکِ قلم
رکھ لیا تعلیمِ اہلِ بیت کا تو نے بھرم

ہم حسینی ہیں یزیدِ وقت کو سمجھا دیا
بیٹھ کر پیرس میں استعمار کو لرزا دیا

تیری جرآت سے تشیع عام ہے ایران میں
ہے یہاں نامِ علی شامل اہم ارکان میں

اے خمینی اے حسینی فکر کے آئینہ دار
ہر عقیدت ہو فلکؔ کی تیرے قدموں پر نثار

نتیجۂ فکر: سید غافر رضوی فلکؔ چھولسی

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی نظر میں اسلامی گھرانہ

مقالہ نگار: نصرتی مرضیہ

مترجم: ڈاکٹر شازیہ مہدی

گھرانا انسان کی نشوونما اور کمال تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے، اس لئے اس کو تشکیل دینے کے لیے اس کے مقدس اہداف پر خاص توجہ ہونی چاہیے، حضرت زہرا سلام اللہ علیہا جو کہ ایک کامیاب زوجہ اور ماں کے عنوان سے نمایاں مثال ہیں، وہ ایسے گھرانے کو کامل تصوّر کرتی ہیں جس کی بنیاد بندگی، عدل وانصاف، ایثار، محبت پر ہو، جس میں ذمہ داریوں کا سمجھنا، آپسی تعاون، شریک حیات کو راضی رکھنا اور بچوں کی پرورش کرنا سب خدا کی خوشنودی کے لئے ہو. آپ ایک اسلامی گھرانے میں خواتین کے مؤثر کردار کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور پردہ کی اہمیت پر زور دیتے ہوے اسے فیملی کی بقاء کے لیے، بنیادی وجہ مانتی ہے۔

تعارف

معاشروں کے عروج اور زوال کا دارومدار چھوٹے معاشرے یعنی خاندان کے استحکام اور پایداری پر ہے. اسی وجہ سے دین اسلام کے قوانین میں خاندان کے مقام ومنزلت کو خاص اہمیت حاصل ہے اور تمام مذہبی لائحہ عمل کو اسی کے تحت ترتیب دیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر باپ، ماں اور اولاد اپنے صحیح اور اصل مقام پر قرار پائیں، یعنی باپ خاندان کا سرپرست ہو اور ماں محبت کا مرکز ہو، اور بچے والدین کی عزت وفرمانبرداری کریں، تو بہت تیزی سے خوش بختی اور کمال نصیب ہوگا

ایسے معاشروں میں جہاں ماں کی پہلی ترجیح معاشرے میں حاضر ہونا، اقتصادی آزادی میں مردوں کے ساتھ رقابت کرنا ہو، یا جہاں باپ کمزور اور بیٹا سرپرستی کر رہا ہو، یہ گھرانہ غیر مستحکم ہوتا ہے اور پورے معاشرے کو خطرے میں ڈالتا ہے۔ ہمارے مفکرین اور دانشمند افراد کو ہمیشہ ایسے تباہ کن فکری لہروں سے ہوشیار رہنا چاہیے، مثال کے طور پر حقوق نسواں، حقوق نسواں کا دفاع، آزادی نسواں کی تحریک، وغیرہ کیونکہ شاید کچھ لوگ انسانیت کو بچانے کی غرض سے خاندان کی بنیادیں کمزور کر رہے ہیں اور شکوک وشبہات کو دور کرنے کی کوشش میں روشن خیالی کردار کو مزید روشن ونمایان کر رہے ہیں۔

چنانچہ اسلام کے روشن اور حیات بخش مکتب نے ہمیشہ تاریک اور سیاہ فضاؤں کو منوّر کیا ہے اور ابہام کے گردوغبار کو ذہنوں سے صاف وپاک کیا ہے۔ معصومینؑ کی احادیث وروایات نے تمام گرہوں کو سلجھا کر انسانیت کو جہالت کے سمندر میں ڈوبنے سے بچالیا ہے، ہم اپنا دامن عصمت اور طہارت کی مرکز، خاتونِ دوعالم صدیقہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کی طرف پھیلا رہے ہیں تاکہ بے انتہا علم وحکمت کے سمندر، وحی کے سرچشمہ اور نبوت کے جام سے سیراب ہوسکیں۔ اسی بنا پر ہم ایک مثالی گھرانے کا جائزہ لے رہے ہیں جو کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کا گھرانہ ہے، تاکہ اس عظیم خاتون کی رہنمائی سے استفادہ کیا جاسکے۔

اس مضمون میں ہم نے حضرت زہراؑ کے تربیتی پہلو کو جس میں، ان کا اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ ان کا طور طریقہ، قناعت، اقتصادی مسائل میں ان کا تعاون، عبادات اور خاندان میں ان کا درجہ، معاشرے میں خواتین کی موجودگی، حجاب اور دوسرے مؤثر مسائل کا جائزہ لیا ہے.

مجھے امید ہے میرا یہ کام قطب عالم حضرت امام زمانہؑ کی بارگاہ میں قبول ہوگا اور معزز گھرانے اس سے مستفید ہوں گے۔

خاندان کا رتبہ اسلام کی نظر سے

خاندان معاشرے کا سب سے منفرد حصہ ہے، قرآن کے مطابق یہ ایک فطری مرکز ہے۔ ایک ایسا مرکز جسے کم از کم ایک عورت اور ایک مرد پہلے تشکیل دیتے ہیں اور ایک معاہدے کے تحت ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔ یقیناً ایک گھرانے کے کام کاج بے شمار اور قابل توجہ ہوتے ہیں لیکن نفسیاتی اور ذہنی سکون پیدا کرنا، ایک پاک نسل کا پیدا کرنا اور اس کی حفاظت کرنا، نفسانی خواہشات پر قابو پانا اور سماجی کارکردگی وغیرہ، سب ایک گھرانے کی تشکیل سے ہی وجود میں آتے ہیں. آج کی الیکٹرانک دنیا میں ہونے والی تبدیلیوں کے تمام اثرات کے باوجود، ابھی بھی دنیا بھر کے مرد اور عورتیں ایک دینی گھرانے کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ اس صنعتی دنیا میں ہمیں اس معاملہ میں مختلف مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔

بہر حال، تمام آسمانی مذاہب میں خاندان کو تقدس حاصل ہے اگرچہ ترقی پذیر مما لک اب خطرے کا شکار ہو چکے ہیں۔ اس لئے ایسے معاہدوں پر زیادہ توجہ دی جانی چاہیے جو خاندانی بنیادوں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ رکاوٹ ڈالتے ہیں۔

قرآن کے مطابق خاندان کو تشکیل دینا، ایک سماجی، نفسیاتی، فطری، معاشی، جذباتی اور تعلیمی ضرورت ہے۔

۱۔ مساوات: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا [1]

۲۔ سکون: لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا [2]

۳۔ مودّت: وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً [3]

۴۔ مہربانی: وَرَحْمَةً [4]

۵۔ خوش رفتاری: وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ [5]

۶۔ عدالت: وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا [6]

۷۔ خدا کا عہد: وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا [7]

---

[1] روم ۲۱

[2] روم ۲۱

[3] روم ۲۱

[4] روم ۲۱

[5] نساء ۱۹

[6] بقرہ ۲۳۱

[7] نساء ۲۱

۸۔ تقوا: إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا ۔۔۔۔۔ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ[1]

اسلام کے نقطہ نظر سے خاندان کی تشکیل ایک مذہبی فریضہ ہونے کے علاوہ عبادت کا جلوہ، ترقی اور تبدیلی کی وجہ، رشد اور تکامل کی بنیاد اور خوشحالی کا سبب ہے۔ خاندان جذبات اور نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھ کر اضطراب کو دور کرتا ہے، اعصاب کو سکون بخشتا ہے اور انسان کو بدعنوانی، جرائم اور ذہنی امراض سے روکتا ہے۔

حضرت زہراء مرضیہ سلام اللہ علیہا خدا کی ذات اور صفات کا کامل آئینہ اور قرآن کی واضح مثال ہے۔ اپنی مختصر زندگی کے دوران، آپ نے خدا کی مرضی کے مطابق، ایک مثالی خاندان کی تصویر کشی کی ہے اور انسانیت کے لئے ایک بہترین نمونہ بن گئی، اس مقام تک پہنچ گئی کہ خدا نے اس کی رضا کو اپنی رضا میں شامل رکھا۔ خاتون جنت سلام اللہ علیہا اپنی زندگی اور موت سے خدا کے رضامندی کے سوا کچھ نہیں چاہتی تھی۔ أحيني ما عَلِمتَ الحَياةَ خَيرا لي، و تَوَفَّني إذا كانَتِ خَيرا لي اَللّٰهُمَّ إني اَسئلكَ كَلِمَةَ الإخلاصِ [2].

اے اللہ، جب تک تو جانتا ہے کہ میری زندگی میں خیر اور بہتری ہے، مجھے زندہ رکھنا اور جب میری موت میں بہتری ہو، مجھے موت دینا۔ ای میرے خدا، میں تجھ سے اخلاص کا کلمہ مانگتی ہوں۔

آپ کی اپنے شوہر سے محبت، کبھی خدا کی محبت کے سامنے نہیں آئی۔ حضرت فاطمہ زہراؑ دعاؤں میں کہتی ہیں۔ یا رب ليست من أحد غيرك تثلج بها صدري و تسر بها نفسي و تقر بها عيني اے خدا تیرے سوا کوئی میرے سینے کو کشادہ اور دل کو خوش نہیں کرتا۔ تیرے سوا کوئی میری آنکھوں کو روشنی نہیں دیتا۔ [3]

شوہر کا انتخاب کرنا اور شوہر داری

حضرت علیؑ اور حضرت زہراؑ کی مشترکہ زندگی میں، دونوں کا شادی پر راضی ہونا، خاندان کا رضامند ہونا، باطل اور ظاہری اقدار کی طرف توجہ نہ دینا بلکہ معنویات کی طرف توجہ کرنا، اس گھرانے کی استحکامت کی بنیادی وجوہات ہیں۔ جب قریش کی عورتوں نے حضرت علیؑ کے انتخاب پر انؑ کا مذاق اڑایا تو انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگی "رضيت بما رضي الله و رسوله"۔ [4] جس پر خدا اور اس کا رسول راضی ہے، میں بھی راضی ہوں۔

یہ عظیم خاتون خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم، مطیع اور اپنے فرائض سے اسقدر با خبر تھی کہ مولا علیؑ نے فرمایا: خدا کی قسم میں نے فاطمہ کو کبھی ناراض نہیں کیا اور نہ ہی ان کو کسی کام سے تکلیف پہنچائی یہاں تک کہ خدا انہیں اس دنیا سے لے گیا اور اس نے بھی کبھی مجھے ناراض نہیں کیا اور نہ ہی کسی کام میں میری مخالفت کی [5]۔

---

[1] حجرات ۱۳

[2] حر عاملی، ۱۳۸۷، ج ۱۹، ص ۲۲۵

[3] قیومی، ۱۳۷۴، ص ۴۷

[4] شیخ الاسلامی ص ۲۷۳

[5] مجلسی ۱۴۰۴ق، ج ۴۳، ص ۱۳۴

ایک اور جگہ فرماتے ہے: **ولقد کنت انظر الیھا فتنکشف عنی الھموم والاحزان** کہ جب میں فاطمہ ؑ کی طرف دیکھتا تو میرا سارا غم و غصہ دور ہو تا تھا[1]۔ حضرت زہرا ؑ مولا علی علیہ السلام کے لیے ایک متقی بیوی تھی اور مولاؑ سے کبھی کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا۔

شوہر داری کے بارے میں حضرت زہرا ؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی روایت بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنی شوہر کا احترام کرے[2]۔

خانہ داری

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا ایک توحیدی نظریہ رکھتی تھیں اس لیے بہترین خاتون بننے کے تمام اسرار و رموز سے واقف تھیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے فرمایا: **الحمد للہ الذی لم یجعلنی متحیر فی اموری**"[3]۔ گھر کے معاملات میں آپ، کافی سنجیدہ اور پر تلاش تھیں۔ صحیح منصوبہ بندی، گھر کی صاف صفائی کا خیال اور پر امن ماحول پیدا کرنے کی کوشش اور سب سے اہم بات یہ کہ وہ زندگی کے معاملات پر مطمئن اور راضی رہتی تھیں۔ آغاز میں ہی ایک صحابی کے گھر میں، ایک جگہ کرائے پر لی تھی۔ غربت اور گھریلو مسائل میں تحمل اور بردباری سے کام لینا اور کنیزوں کے حقوق کا احترام ان کے اہم اصولوں میں سے تھا۔

سادہ زندگی

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی سادہ زندگی کے بارے میں حدیث میں یوں آیا ہے: **فَلَمَّا دَخَلَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللهِ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ سَلْمَانَ تَعَجَّبَ مِنْ لِبَاسِي، فَوَ الَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ نَبِيّاً مَا لِي وَلِعَلِيٍّ مُنْذُ خَمْسِ سِنِينَ إِلَّا (مَسْكُ) كَبْشٍ، تُعْلَفُ عَلَيْهِ بِالنَّهَارِ بَعِيرُنَا، فَإِذَا كَانَ اللَّيْلُ افْتَرَشْنَاهُ، وَإِنَّ مِرْفَقَتَنَا لَمِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفُ النَّخْلِ**"[4]

ایک دن حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ؛ سلمانؓ کو میرے سادہ لباس پر تعجب ہے۔ مجھے اس خدا کی قسم جس نے آپ کو نبیؐ بنایا، میں اور علیؑ پانچ سال سے ایک بھیڑ کی چمڑی پر سوتے رہے، جس پر ہم دن کے وقت اونٹوں کا چارہ ڈالتے ہیں اور ہمارا تکیہ کھال کا ایک ٹکڑا ہے جس کے اندر کھجور کے پتے ہیں۔

اگر آج ہماری شادیاں دنیوی زرق و برق سے الگ ہوتیں، تو شاید شادیوں میں اتنی تاخیر نہ ہوتی اور زیادہ عمر کے غیر شادی شدہ لڑکے اور لڑکیاں نظر نہ آتے اور معاشرہ بعض سماجی مسائل میں مبتلا نہ ہوتا۔

شوہر کی اطاعت

---

[1] اربلی ۱۳۸۱ق، ج ۱، ص ۳۶۳

[2] مجلسی، ۱۴۰۴ق، ج ۶۸، ص ۳۹۰

[3] قیومی، ۱۳۷۴، ص ۱۲۲

[4] اربلی ۱۳۸۱ق، ج ۱، ص ۳۶۳

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اپنی زندگی کے آخری ایام میں بیمار تھیں۔ ابو بکر و عمر نے ان کی عیادت کی اجازت چاہی لیکن انہوں نے منفی جواب دیا۔ عمر اور ابو بکر علیؑ کے پاس گئے اور ان سے جناب فاطمہؑ کو راضی کرنے کو کہا۔ حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ کے پاس گئے اور فرمایا: عمر اور ابو بکر کئی بار آئے ہیں۔ اور آپ نے ان کو رد کر دیا، اب انہوں نے مجھ سے اجازت طلب کی۔ حضرت زہراؑ نے کہا: خدا کی قسم میں انہیں اجازت نہیں دوں گی۔ میں ان سے ایک لفظ بھی نہیں بولوں گی جب تک کہ میں اس دنیا سے رخصت ہو کر اپنے والد سے نہ ملوں اور ان کی شکایت ان کے پاس لے جاؤں گی کہ انہوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: میں ان کا ضامن ہوں کہ وہ گھر میں داخل ہوں۔ حضرت زہراؑ نے فرمایا: اگر تم ان کے ضامن ہو تو یہ گھر تمہارا ہے اور عورتیں مردوں کی اطاعت کرتی ہیں۔ اس لئے میں تمہاری مخالفت بھی نہیں کروں گی جسے آپ داخل ہونے کی اجازت دینا چاہتے ہیں، داخل ہو جائے[1]

گھر کے اندر عبادت کا جذبہ پیدا کرنا اور ماحول کو روحانی بنانا

گھر کو مکتب اور گھر کے ایک حصے کو مسجد اور عبادت گاہ بنانا، کنیزوں کو قرآن اور اخلاق کی تعلیم دینا، گھر کو جہاد کا مرکز بنانا، ظالموں کا مقابلہ کرنا، ولایت کا دفاع کرنا اور پڑوسی کے لئے دعا کرنا وغیرہ سب حضرت فاطمہ کے لائحہ عمل میں سے تھے۔

جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مولا علیؑ سے ان کی مشترکہ زندگی کے پہلے دن کی صبح پوچھا؛ آپ نے اپنی زوجہ کو کیسے پایا؟ آپ نے فرمایا: نعم العون فی طاعة الله خدا کی اطاعت کے لئے بہترین مددگار ہے۔ اور جب آپ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ سے پوچھا، تو انہوں نے جواب دیا: خیر البعل وہ بہترین شوہر ہیں[2]۔

اجتماعی اور خاندانی انفاق کرنا

گھر میں مہمان نوازی کرنا اور لوگوں کے رفت و آمد کے لئے گھر کا دروازہ کھلا رکھنا، ایسے کام تھے جن کا حضرت زہراؑ کو بہت خیال تھا۔ سورہ انسان اس خاندان کے اجتماعی طور پر روزہ رکھنے اور صدقہ دینے کی دلیل ہے کہ سب نے تین دن روزہ رکھا اور ہر رات غریبوں کو افطار دے دیا۔ وَيُطۡعِمُونَ ٱلطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ مِسۡكِينٗا وَيَتِيمٗا وَأَسِيرًا[3]

کام کی تقسیم بندی

گھر کے معاملات اور کام کاج میں نبی ﷺ سے مشورہ کرنا اور کام کی تقسیم کے لیے آپ ﷺ سے درخواست کرنا، گھر کے امن و امان اور نظم و ضبط برقرار رکھنے کے لیے سنجیدہ قدم تھا۔ تقاضی علی و فاطمة الی رسول الله فی الخدمة فقضی علی فاطمة خدمة دون الباب وقضی علی علی بما خلفه. فقالت فاطمة: فلا یعلم ما دخلنی من السرور لا الله باکفانی رسول

---

[1] مجلسی، ۱۴۰۴ق، ج ۴۳، ص ۲۰۲۔۲۰۴

[2] مجلسی ۱۴۰۴، ج ۴۳، ص ۱۱۷

[3] انسان ۸

الله تحمل رقاب الرّجال ۔۔۔۔۔[1]صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ میں کتنی خوش ہوں کہ رسول خدا ﷺ نے مجھے گھر کی ذمہ داریاں سونپی ہیں اور میرے لیے یہی کافی ہے۔

نبیؐ نے جو تقسیم بندی کی، اس میں گھر کے اندر کا کام حضرت زہراؑ پر چھوڑ دیا گیا اور گھر کے باہر کا کام حضرت علیؑ پر چھوڑ دیا گیا۔ حضرت زہراؑ کی اس تقسیم سے خوشی کا اظہار کرنا اور یہ فرمانا کہ یہ کام ان کے لیے کافی ہے، اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ گھر کا کام کاج عورتوں کی ترجیح ہے، عورتوں کو گھر سے باہر کام کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

عورت اور معاشرے میں اس کی موجودگی

قالت فاطمة الزهراء ادنی ما تکون من ربها ان تلزم قعر بیتها: اس لمحہ جب عورت گھر میں رہتی ہے (زندگی کے امور اور بچوں کی پرورش کرتی ہے)، خدا کے قریب ہوتی ہے۔

اس عظیم خاتون کے الفاظ سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ خدا کی خوشنودی یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر اور بچوں کو ترجیح دے۔ خاص طور پر اس کا تربیتی کردار، جسے سخت نظر انداز کیا گیا ہے، خواتین کے اہم ترین فرائض میں سے ایک ہے، بعض اوقات یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض معاشرے اس اہم مسئلے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسے خواتین کے لئے فخر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے اور معیشت اور سیاست کی ترقی میں خواتین کی موجودگی کو ترجیح دیتے ہیں جس کی وجہ سے اس رویے نے ان معاشروں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔

آپؑ کی مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں سماجی سرگرمیوں سے مستثنیٰ ہیں، لیکن ان پر حرام نہیں اسی لئے ہم نے انقلاب سے پہلے اور بعد کے ادوار میں معاشرے میں خواتین کا حضور اور محاذ میں ان کی متاثر کن سرگرمیوں کا مشاہدہ کیا ہے جو انقلاب کے صفحات پر ایک سنہری مہر ہے اور اس کے علاوہ، ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ اسلام کی عظیم خاتون، حضرت زہراؑ، زخمیوں کی مدد کے لیے کس طرح پشت محاذ موجود رہتی تھی۔

معاشرے میں خواتین کی موجودگی کی تلافی مردوں کی موجودگی سے کی جاسکتی ہے لیکن خاندان میں خواتین کی عدم موجودگی کا کوئی نعم البدل تلاش نہیں کیا جاسکتا۔ خاندانوں میں بگاڑ اکثر ماؤں، شریک حیات اور بچوں کے اہم مسائل کی طرف عدم توجہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

خواتین کا روزگار

خواتین کا سماج میں حضور اور سرگرم ہونے کا ایک نمونہ ان کی ملازمت و روزگار ہے، جسے آج کل معاشی اعتبار سے خواتین کی خوش قسمتی سمجھا جاتا ہے جبکہ مرد خاندان کی معیشت، بیوی اور خاندان کی کفالت کا ذمہ دار ہے، اور انہیں اس ذمہ داری کو نبھانا ہی ہے، اور ملازمت ان کا حق نہیں، بلکہ فرض ہے۔

اسلام خواتین کی معاشیات میں موجودگی کو قبول کرتے ہوئے، ان کی ذاتی جائیداد پر ان کی مکمل ملکیت پر بھی زور دیتا ہے، اور مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ خواتین کے مالی معاملات کی ذمہ داری لے اور ان کی حالات زندگی پر غور و فکر کرے۔ درحقیقت مذہب عورت کو معاشی نقطہ

---

[1] قمی، ۷۶، ۱۳، ص ۲۵۲

نظر سے ضرورت مند مخلوق نہیں بنانا چاہتا، بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے اور اس کے خاندان کے گزارے کے اخراجات دوسروں (مردوں) کے ذمہ ہوں اور عورتوں کو یہ بھاری بوجھ اٹھانے سے روک دیا ہے۔ نتیجتاً خواتین کے لیے ملازمت اختیاری اور انتخابی ہے۔
گھریلو معیشت میں خواتین کا تعاون کئی شرائط کے ساتھ بغیر رکاوٹ کے ممکن ہے:
۱: سماجی کاموں کے کرنے میں اس کو کوئی نہ کوئی ضرورت یا عقلی فائدہ ہونا چاہیے۔
۲: عورت کا گھر سے باہر کام کا انتخاب، اس کو تین اہم کاموں (خانہ داری، شوہرداری اور بچہ داری) میں کامیاب ہونے سے نہ روک سکے۔
۳: عورت کے لیے معاشرہ اور ملازمت کا ماحول مکمل طور پر محفوظ، مطلوب اور قابل اعتماد ہونا چاہیے۔
۴: حجاب اور حیا سمیت تمام شرعی حدود اور پابندیوں کا خیال رکھا جائے۔

حضرت زہراؑ کے گھر میں ان کی زندگی کا آغاز باہمی اور معاشی تعاون سے ہوا۔ حضرت علیؑ کی زرہ کو فروخت کیا گیا اور اس سے کم از کم جہیز اور ضروریات زندگی کے وسائل تیار کئے گئے اور حضرت علیؑ نے گھر کے باہر کا کام اور حضرت زہراؑ نے گھر کے اندر کا کام سنبھال لیا۔ احادیث میں ہے کہ حضرت زہراؑ اپنی معیشت کے لیے اون کاتتی تھی۔

حجاب

قالت فاطمة الزهرا (سلام الله عليها): خَيرٌ للنِّساء أن لا يَرينَ الرِّجالَ وَلا يَراهُنَّ الرِّجالُ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: عورتوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ (بغیر ضرورت) وہ نامحرم مردوں کو نہ دیکھیں اور نامحرم مرد بھی انہیں نہ دیکھیں۔
البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ خاتون جنتؑ کا اس سے مراد جنسی و شہوتی نگاہیں ہیں، انسانی نگاہیں نہیں۔

بد قسمتی سے، کچھ لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ حجاب ایک پھندا ہے لیکن خداوند متعال قرآن کریم میں حجاب کے فلسفے کے بارے ارشاد کرتا ہے: ذَٰلِكَ أَدۡنَىٰٓ أَن يُعۡرَفۡنَ فَلَا يُؤۡذَيۡنَ یعنی کہ بدن کو ڈھانپنا اس مسئلہ کے قریب ہے کہ وہ عفت کے ساتھ پہچانی جائیں تاکہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے نتیجتاً جب وہ اس طرح پہچانی جائیں گی تو انہیں مزید ایذا نہیں دی جائے گی، یعنی بے حیائی اور فسق و فجور سے بھرے لوگوں کی طرف سے انہیں ستایا نہیں جائے گا، وہ معاشرے کی حرمت اور عفت کے محافظ ہے، اور ان کا احترام ہے۔

اسلام کے نقطہ نظر سے خواتین کا سیاست اور معاشرہ میں سرگرم ہونا بھی معقول ہے۔ چنانچہ حضرت زہراؑ کا مدینہ کی مسجد میں حاضری اور ولایت کے دفاع میں خطبہ دینا اور زخمیوں کے علاج کے لیے محاذ کی پشت پر رہنا، ایسی موجودگی پر تصدیق کی مہر ہے۔

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی تربیت کے طریقے

حضرت زہراؑ کا گھرانا، انسانی تعمیر کی سب سے بڑی یونیورسٹیوں میں سے ایک ہے۔ تعلیم و تربیت کے تمام پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے، انہوں نے دنیا کے اعلیٰ ترین اور کامیاب انسانوں کی تربیت کی اور انہیں انسانی معاشرے کے سامنے نمونہ عمل بن کر پیش کیا۔ بچہ داری میں صبر کرنا اور ان کی صحیح پرورش کرنا، بچوں کو دودھ پلانا، بچوں کو لوازمات زندگی فراہم کرنا، ہر قسم کے حالات سے نپٹنا، بچوں اور یہاں تک کہ باپ اور شوہر کے لیے شعر پڑھنا، کچھ ایسے وظائف تھے، جن کا آپؑ پورا انتظام کرتی تھی۔۔ اور اس کے باوجود ان کی زندگی پر توحید کا سایہ

پڑا رہتا تھا۔ جب رسول خدا ﷺ نے انہیں امام حسینؑ کی شہادت کی خبر دی تو آپؑ نے کلمہ استرجاع "اناللہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور رو کر فرمایا: **سلمت و رضیت و توکلت علی اللہ**[1]۔

۱: بچو کے ساتھ کھیل کود: بچوں کی فطری ضروریات میں سے ایک کھیلنا ہے۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اپنے بچوں کو کھیلنے اور مقابلہ کرنے کی ترغیب دیتی تھیں اور کبھی کبھی ان کے ساتھ کھیل میں شریک ہوتی تھیں۔

۲: کھیل کود میں تعلیم و تربیت: اسلام کی عظیم خاتونؑ نے اپنے بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے آداب زندگی اور عبادت کے جذبے کو زندہ کیا اور کبھی اس کا اظہار اشعار کی صورت میں پیش کرتی تھی۔

۳: بچوں میں جہاد اور دشمن سے مقابلہ کرنے کا جذبہ پیدا کرنا:

۴: بچوں کی حفاظت کے بارے میں امیر المومنین علیہ السلام کو وصیت کرنا۔

۵: بچوں کو انسان دوستی، پڑوسیوں کے حقوق کا احترام کرنا اور دیگر حقوق کی تعلیم دینا۔

۶: بچوں کے درمیان انصاف اور مساوات کی پابندی۔

۷: بچوں کو مسجد اور نماز سے آشنا کرنا اور رسول خدا ﷺ کے ارشادات پر توجہ دلانا اور ساتھ ہی اس پر عمل کرنے اور تعلیم دینے کی ترغیب دینا۔

نتیجہ

خاندان کی حساس اور بنیادی حیثیت پر توجہ دیتے ہوئے، پہلے زوجین کو شادی کے اہداف پر توجہ دینی چاہیے اور ان مقاصد و اہداف کے حصول کے لیے اپنے منصوبوں کو ترکیب و ترتیب دے۔ حضرت زہراؑ عورتوں کے مرکزی کردار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، گھر کا اندرونی انتظام بچوں کی پرورش اور شوہر داری، گھر کے دیگر کام عورت کے ذمہ چھوڑ دیتی ہیں۔

خاتون جنتؑ کے نقطہ نظر سے، ایک عورت کی معاشرہ میں موجودگی تب ممکن ہے جب وہ اپنے خاندان اور بچوں کو پہلے ترجیح دے اور وہ بھی مناسب لباس کے ساتھ کیونکہ حجاب بذات خود اس کے لیے معاشرے میں مناسب طریقے سے موجود ہونے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔

اس کے علاوہ، حجاب خاندانی نظام کو مضبوط اور محکم کرنے کا ذریعہ اور خواتین میں فخر کے احساس کو کنٹرول کرنے کا ایک وسیلہ بھی ہے۔

گھر میں عورت کی منصوبہ بندی اور اس منصوبہ بندی کو برقرار رکھنے کا ہنر، خاندان کی بقا کے ارکان میں سے ہے۔

****

[1] کوفی، ۱۴۱۰ق ص ۵۵

مدح حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

سید غلام رضا رضوی شرف بلرام پوری

پاک طینت لوگ کرتے ہیں ثنائے فاطمہ — بد نسب دل آپ سے کیسے لگائے فاطمہ

آپ کا جو چاہنے والا ہے اس کے واسطے — در ہے جنت کا کھلا چاہے جو آئے فاطمہ

دو جہاں میں کوئی غم ہوگا نہ اس کو بالیقیں — ذکر سن کے آپ کا جو مسکرائے فاطمہ

اس زباں کا حق ہے اس سے مدحت زہرا کریں — دل ہے یہ مے خانہ مدحت برائے فاطمہ

وادیٔ مدحت میں چلتے چلتے آخر تھک گیا — اب بھی میلوں کا سفر ہے ابتدائے فاطمہ

کوثر و تسنیم میں ہو جائے پہلے غوطہ زن — پھر تیری مدحت کا مصرع گنگنائے فاطمہ

کہتے ہیں الفاظ صف بستہ کھڑے افکار میں — ہمکو مصرعوں میں سجا لیجے برائے فاطمہ

کرتے ہیں ماتم جو تپتی دھوپ میں شبیر کا — رہتی ہے سایہ فگن سر پہ ردائے فاطمہ

زندگی کے ساتھ بھی اور زندگی کے بعد بھی — دو جہاں میں کام آئے گی ولائے فاطمہ

اے علی میرے جنازے میں فلاں نہ ہو شریک — ظالموں کے واسطے یہ ہے سزائے فاطمہ

وہ زباں گونگی نہ ہوگی قبر میں وقت سوال — جو قصیدہ آپ کا پڑھ کر سنائے فاطمہ

اپنے کاندھوں پر اٹھائے نہ جواں کی لاش جو — آپ کا تابوت کاندھوں پر اٹھائے فاطمہ

کتنا خوش قسمت ہے جو گھر میں بچھا کے فرش غم — خلد کے سارے مکینوں کو بلائے فاطمہ

مدحت زہرا کا سورہ اردو میں لکھے شرف — گوہر الفاظ دے مجھکو خدائے فاطمہ

مصحف جناب فاطمہ ائمہ اطہار علیہم السلام کی نظر میں

منہال رضا خیر آبادی

وفات رسالتمآب حضرت محمد مصطفی کے بعد اہل مدینہ نے پیغمبر اکرم ﷺ کی اکلوتی بیٹی جناب فاطمہ زہرا سے منہ پھیر لیا، سقیفہ کی لگائی ہوئی آگ کے شراروں میں جذبات واحساسات جل کر راکھ ہوگئے، آدمیت وانسانیت سقیفائی آگ کی لپٹوں سے اپنا دامن بچا کر مدینہ سے کوچ کر گئی [علاوہ چند افراد کے] اسلامی سماج کے اندر افتراق واختلاف کی خلیج گہری ہوتی چلی گئی، ایک طرف بنی ہاشم تجہیز و تکفین کے مقدمات فراہم کر رہے تھے تو دوسری طرف شرارتی طبیعتوں کے مالک مسند خلافت کو للچائی نظروں سے دیکھ کر منصوبہ بند سازشوں کے تانے بانے بننے میں مصروف ہوگئے۔

ایک طرف باپ کی جدائی کا غم تو دوسری طرف اہل مدینہ کی بے رخی کا الم جو فراق پدر کے غم کو مزید کربناک بنا رہا تھا، طرفہ تماشا مدینہ کے کچھ باشندے تعزیت کے بجائے اعتراضات، تسلیت کی جگہ تکلیف، تشفی کے عوض بیعت کا مطالبہ کرنے در بیت الشرف بنت رسولؑ پر آگئے، تاریخی شواہد سے یہ بات طے ہوجاتی ہے کہ آنے والوں نے بیعت لینے کے لئے ہر وہ اقدام کئے جو عام سیاسی لیڈران اپنی کرسی اقتدار کے تحفظ وبقا کی خاطر کرتے رہتے ہیں، عصبیت، غصب ونہب، اقرباپروری، تعلقات کا غلط استعمال یہ وہ امور تھے جنکا چلن روز بروز عام سے عام تر ہوتا جارہا تھا، ایسے پرہول حالات اور ہمت شکن ماحول نے بنت رسولؐ کے مصائب وآلام کو دوچند کر دیا جس کے سبب حزن وملال، غم والم نے زندگی کے ہر قدم پر بسیرا کر لیا، خلاق نور زہراؑ، جناب فاطمہ زہراؑ کے غم کو کم کرنے کے لئے ایک فرشتہ کو بھیجتا جو آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر تسلی وتشفی دیتا اور مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات وحادثات کو بیان کرتا جس کو شہزادی دوعالم بغور سنتیں اور پھر شوہر نامدار حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ سے بیان فرماتیں، آنحضرت ان تمام باتوں کو تحریری جامہ عطا کرتے تھے یہ مجموعہ بعد میں مصحف فاطمہؑ کے نام سے مشہور ہوا۔

حقیقت مصحف فاطمہ بزبان آئمہ علیہم السلام:

مصحف فاطمہ کیا ہے؟ کس نے ترتیب دیا؟ کون کون سے مطالب درج ہیں؟ بقول وہابیت مصحف فاطمہ شیعوں کا دوسرا قرآن ہے؟ یہ صحیفہ ومصحف اب بھی ہے یا مرور ایام کی نظر ہوگیا؟ یہ وہ سوالات ہیں جو بار بار صفحہ ذہن پر ابھرتے رہتے ہیں اور معاندین اہل بیتؑ کی طرف سے اٹھائے جاتے رہے ہیں جبکہ شواہد وقرائن میں غور وفکر کرنے والا ان سوالات کے تشفی بخش جوابات بھی پالیتا ہے شرط ہے چشم بینا وگوش شنوا رکھتا ہو۔

مصحف فاطمہؑ الہام الہی کا مجموعہ، اسرار علوم ربانی کا خزانہ، معارف نورانی کا ذخیرہ ہے جو ذات اقدس حضرت زہراؑ پر فرشتے کے ذریعہ الہامی شکل میں نازل ہوا اور دست عصمت وامامت حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ سے رشتہ تحریر میں آیا جس میں رسول خدا کے مقام بہشتی، مستقبل میں

پیش آنے والے واقعات و حالات کا تذکرہ ہے، یہ مصحف عام لوگوں کی دسترس سے دور آئمہ طاہرین کے پاس یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا اور آج بھی فرزند زہرا حضرت حجت کے پاس موجود ہے جسکی تائید متعدد روایات سے ہوتی ہے:

سمعت اباعبد الله یقول تظهر الزنادقة فی سنة ثمان وعشرین ومائة وذلك انی نظرت فی مصحف فاطمة قال قلت وما مصحف فاطمة قال ان الله تعالی لما قبض نبیه دخل علی فاطمة من وفاته من الحزن مالا یعلمه الا الله عزوجل فارسل الیها ملکا یسلی غمها ویحدثها فشکت ذلك الی امیر المومنین فقال اذا احسست بذلك وسمعت الصوت قولی لی فاعلمته بذلك فجعل امیر المومنین یکتب کل ماسمع حتی اثبت من ذلك مصحفا قال ثم قال اما انه لیس فیه شی من الحلال والحرام ولکن فیه علم مایکون[1]

راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے سنا سنہ ۱۲۸ھ میں مخالفین وباطل کے داعی سر اٹھائیں گے یہ بات مصحف فاطمہ میں دیکھی ہے، راوی نے دریافت کیا مصحف فاطمہ کیا ہے؟ امام نے فرمایا وفات رسول خدا کے بعد غم وآلام نے دختر رسول کو گھیر لیا جس کا اندازہ ذات باری کے علاوہ کسی کے پاس نہیں تھا اس لئے اللہ نے ایک ملک بی بی زہراؑ کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ آپ سے گفتگو کرے اور غم والم کو ہلکا کرے اس بات سے جناب زہراؑ نے حضرت علیؑ کو باخبر کیا حضرت علیؑ نے فرمایا جب آئے اور اس کی آواز سنو تو مجھے بتانا شہزادی فرشتے کی آمد سے حضرت علیؑ کو باخبر کرتیں اور آنحضرت کو کچھ سنتے اسکو قلم بند کر لیتے آخر کار ایک کتابی شکل اختیار کر گیا۔ پھر امام صادق علیہ السلام نے فرمایا اس میں حلال وحرام میں سے کچھ بھی نہیں ہے بلکہ مستقبل کے حادثات وواقعات کی خبریں ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں صادق آل محمد ﷺ نے ان واقعات کے حوالہ سے اس بات کی وضاحت بھی فرمایا ہے کہ آپ کی ذریت طیبہ کے ساتھ پیش آنے والے واقعات بھی اس میں بیان ہوئے ہیں ارشاد ہوتا ہے:

عن ابی عبیدہ قال سال اباعبد الله بعض اصحابنا عن الجفر............قال فسکت طویلا ثم قال انکم تبحثون عما تریدون وعما لا تریدون ان فاطمة مکثت بعد رسول الله خمسة وسبعین یوما وکان دخلها حزن شدید علی ابیها وکان جبرئیل یاتیها فیحسن عزائها علی ابیها ویطیب نفسها ویخبرها عن ابیها مکانه ویخبرها بما یکون بعدها فی ذریتها وکان علی یکتب ذلك فهذا مصحف فاطمة[2]

بعض شیعوں نے امام جعفر صادق سے کچھ سوالات کئے ان میں سے ایک یہ تھا: مصحف فاطمہ کیا ہے؟ آنحضرت نے کچھ دیر سکوت کے بعد فرمایا تم ان چیزوں کے بارے میں گفتگو کر رہے ہو جو چاہتے بھی ہو اور نہیں بھی چاہتے ہو{یعنی کچھ سوالات سمجھنے کے لئے نہیں ہیں یا تمہارے کام آنے والے نہیں ہیں} جناب فاطمہ نبی اکرم کی وفات کے بعد پچھتر دن نہایت غم واندوہ کے عالم میں زندہ رہیں جبرئیل علیہ السلام آتے اور انھیں تسلیت وتعزیت پیش کرتے، خوشحال کرنے کی کوشش کرتے، آپ کے والد بزرگوار کے مقام وحالات کو

---

[1] الکافی، ج۱، ص۲۴۰

[2] الکافی، ج۱، ص۲۴۱

بیان کرتے آپ کے بعد آپ کی ذریت پر جو کچھ گزرنے والا تھا اس کو بیان کرتے اس کو حضرت علیؑ تحریر کرتے جو مصحف فاطمہؑ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

متذکرہ بالا دونوں روایات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مصحف فاطمہؑ کا الہام حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد شہادت جناب فاطمہؑ سے قبل کے درمیانی وقفہ میں جبرئیل امینؑ کے ذریعہ ہوا جس کو حضرت علی کے عصمتی ہاتھوں نے صفحہ قرطاس کی زینت بنایا، اس میں اجمالی طور پر ان حالات کا خاکہ بیان کیا گیا ہے جو ذریت فاطمہ زہرا کے ساتھ پیش آنے والے تھے، نہ اس میں حلال شرعی کا بیان ہے اور نہ ہی حرام کو درج کیا گیا ہے۔

صادق آل محمد سے مروی ایک روایت میں صاف لفظوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ قرآن مجید اور مصحف فاطمہؑ دو الگ الگ تحریری مجموعہ ہیں اور شیعہ عقیدہ کے مطابق مصحف فاطمہؑ دوسرا قرآن نہیں ہے جس کا تذکرہ سواد اعظم کے بے سواد علماء بار بار کرتے رہے ہیں کہ شیعوں کے پاس ایک اور قرآن ہے جو قرآن کریم کے علاوہ ہے۔ اگر ان مفاد پرست علماء نے ان حقائق پر غور کیا ہوتا تو انھیں یقین کامل ہو جاتا کہ مذہب شیعہ ایسے بے ہودہ عقائد سے پاک و مبرا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ان عندنا لمصحف فاطمة ومايدريهم مامصحف فاطمةقال فيه مثل قرآنكم هذا ثلاث مرات والله مافيه من قرآنكم حرف واحد انما هو شي املاه الله عليها واوحي اليها[1]

ہمارے پاس مصحف فاطمہؑ ہے اور تم لوگ کیا جانتے ہو کہ مصحف فاطمہ کیا ہے؟ یہ مروجہ قرآن کے تین برابر ہے بخدا اس میں قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے یہ اللہ نے املاء کیا ہے اور وحی کیا ہے جناب فاطمہ زہراؑ پر۔

مضامین مصحف بزبان عصمت:

کتب روائی شیعہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آئمہ معصومینؑ کے پاس تین عظیم ترین اور گرانقدر کتب تھیں جو بعنوان میراث یکے بعد دیگرے اماموں کے پاس منتقل ہوتی رہیں ایک کا ''نام الجامعہ'' تھا جس میں احکام حلال و حرام درج تھے دوسری ''الجفر'' تھی جس میں ان ادوار کے واقعات و حوادث بیان ہوئے تھے تیسری کتاب مصحف فاطمہؑ جسمیں مستقبل کے حالات کی خبریں تھیں۔

مصحف فاطمہؑ سے متعلق جو فرامین آئمہ معصومین اور ارشادات ہادیان دین ہم تک پہونچے ہیں انکا بنظر غائر مطالعہ مصحف میں درج شدہ مطالب کی نشاندہی کرتے ہیں، حاصل مطالعہ نکات اجمالا درج کئے جارہے ہیں:

۱۔ مستقبل میں رونما ہونے والے حوادث اور حکمراں کے نام: امام صادق علیہ السلام کی حدیث میں ذکر ہوا ہے: وامّا مصحف فاطمة ففيه مايكون حادث واسماء من يملك الى ان تقوم الساعة[2]

صبح قیامت تک رونما ہونے والے حادثات اور منصب سلطانی پر فائز ہونے والے حکمراں کے نام اس مصحف میں درج ہیں

[1] بحار الانوار، ج۲۶، ص۳۹

[2] بحار الانوار ج۲۹، ص۱۸۔ الاحتجاج، ج۲، ص۳۷۲

۲۔ انبیاء واوصیاء کے اسماء: مامن نبی ولا وصی ولا ملك الا وهو فی کتاب عندی یعنی مصحف فاطمة[1]

ہر نبی، وصی اور حاکم کا نام اس کتاب میں جو ہمارے پاس ہے یعنی مصحف فاطمہ میں مرقوم ہیں

۳۔ مدت حکومت: قال لی ابو عبد الله یا ولید انی نظرت فی مصحف فاطمة قبیل فلم اجد لبنی فلان فیها الا الغبار النعل[2]

امام صادق علیہ السلام نے ولید سے فرمایا اے ولید کچھ دیر قبل میں مصحف فاطمہؑ دیکھ رہا تھا لیکن بنی فلاں کی حکومت کو اس غبار سے زیادہ نہ پایا جو گھوڑے کی نعل سے اڑتا ہے

۴۔ وصیت جناب زہرا علیہا السلام: قال ابو عبد الله...... مصحف فاطمة فان فیه وصیة فاطمة ومعه سلاح رسول الله[3]

مصحف فاطمہ میں جناب زہراؑ کی وصیت اور اس کے ہمراہ رسول خدا کا اسلحہ ہے

۵۔ تفسیر و تاویل قرآن: ائمہ معصومین نے مصحف فاطمہ کی روشنی میں قرآنی آیات کی تاویل و تفسیر بیان فرمایا ہے چنانچہ سورہ معارج کی آیہ کریمہ سال سائل بعذاب واقع کی تفسیر کے ضمن میں فرمایا کہ ولایت علیؑ ابن ابی طالبؑ کا منکر عذاب کا مستحق قرار پایا ہے اور اسکو مصحف فاطمہؑ سے ثابت کیا ہے راوی روایت ابو بصیر جیسا جلیل القدر صحابی ہے[4]

۶۔ قرآن کے احکام نہیں ہیں: امام موسی کاظم کے بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ مصحف آپ کے پاس تھا اور اس میں قرآنی احکام میں سے کچھ بھی درج نہیں ہے آپ نے فرمایا: میرے پاس مصحف فاطمہؑ ہے لیکن اس میں قرآنی احکام میں سے کچھ بھی نہیں ہے[5]

۷۔ مروجہ علوم و دانش سے کچھ بھی نہیں ہے بلکہ مستقبل کے واقعات و حادثات کا مجموعہ ہے جس کا علم صرف ائمہ معصومین کے پاس ہے، مصحف منبع علم و آگہی، سرچشمہ دانش و بینش ہے جس سے ائمہ نے ہمیشہ استفادہ کیا یہ مصحف میراث کے عنوان سے ایک کے بعد دوسرے امام کے پاس محفوظ رہا، امام محمد باقرؑ نے ارشاد فرمایا: یا ابا عبیدة من کان عنده سیف رسول الله ودرعه ورایته المغلبة ومصحف فاطمة قرت عینه[6]

اے ابو عبیدہ اس امام کی آنکھیں روشن ہوں جس کے پاس پیغمبر اکرم کی شمشیر، زرہ، پیروزمند پرچم اور مصحف فاطمہؑ ہو

ابو بصیر نے روایت کیا ہے: سمعت ابو عبد الله یقول مامات ابو جعفر حتی قبض ابو عبد الله مصحف فاطمة[7]

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۴۷

[2] بحار الانوار، ج ۴۸، ص ۱۵۶

[3] حوالہ سابق

[4] تفسیر کنز الدقائق، ج ۱۳، ص ۴۳۰

[5] بصائر الدرجات، ص ۱۵۴

[6] بصائر الدرجات، ص ۱۸۶

[7] بصائر الدرجات، ص ۱۵۸

میں نے امام جعفر صادقؑ سے سنا ہے کہ امام محمد باقرؑ کی رحلت نہیں ہوئی مگر یہ کہ مصحف فاطمہؑ کو امام صادقؑ نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔

جابر ابن عبد اللہ انصاری یہ وہ عظیم المرتبت و جلیل القدر صحابی تھے جنھیں پانچ اماموں سے ملاقات کا شرف حاصل رہا، فریقین کے علماء آپ کی جلالت و عظمت کے معترف ہیں آپ سے امام محمد باقرؑ نے مصحف فاطمہؑ کے حوالہ سے ایک گفتگو کیا تھی جس میں جابرؓ نے نہایت ہی واضح لفظوں میں مصحف کے کوائف و حالات بیان کئے ہیں، امام باقرؑ نے جابر سے دریافت کیا کہ وہ لوح جو ہماری مادر گرامی کے دست مبارک میں دیکھی تھی کیسی تھی؟ اس کے بارے میں کیا سنا ہے؟ جابر نے قسم کھا کر بیان کیا: ولادت امام حسین کی تبریک و تہنیت کے لئے حاضر ہوا تو سبز رنگ کی لوح دیکھا جو زمرد کی مانند چمک رہی تھی، تحریر سفید رنگ تھی جو نور آفتاب کی طرح نگاہوں کو جذب کر رہی تھی میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اے بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ لوح کیا ہے اس پر کیا لکھا ہوا ہے؟ شہزادی نے فرمایا یہ لوح اللہ کی جانب سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ مجھے ہدیہ دی گئی ہے اس میں رسول خدا، میرے شوہر امیر المومنین اور میرے دونوں بیٹوں کے اسماء درج ہیں میں نے اس کی نسخہ برداری کیا تھا نام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیؑ سے لیکر حضرت حجت تک کے اسماء کو والد اور والدہ کے نام کے ساتھ لکھا تھا نقل کیا۔ امام باقرؑ نے فرمایا اے جابر مجھے پڑھکر سناؤ جابرؓ نے وہ نسخہ امام کے سامنے رکھدیا امام نے بغیر اس لوح کو دیکھے تمام باتوں کو سنایا جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے دونوں مطالب کا موازنہ کیا تو حرف بحرف دونوں ایک تھے کسی طرح کا کوئی اختلاف نہیں تھا[1]

متذکرہ بالا مطالب سے علماء سواد اعظم کیطرف سے مصحف فاطمہؑ کے حوالہ سے جو شکوک و شبہات پیدا کرنے کی ناکام کوششیں ہوتی رہی ہیں وہ سب بے بنیاد اور تحقیق کے راہنما اصولوں سے بے توجہی کا نتیجہ ہیں۔ تعجب ہوتا ہے صاحب مواقف ایجی اور جرجانی جیسے اکابرین نے بھی چشم پوشی کی اور حقائق سے کوسوں دور چلے گئے، مصحف فاطمہؑ کو شیعوں کا قرآن بتانے سے بھی گریز نہیں کیا، عداوت کے صحرا میں سرگرداں پھرتے رہے، عصبیت کی عینک نے حقیقی نگاہوں کو اتنا کمزور و ناتواں بنادیا کہ لطیف اشیاء نظر نہ آئیں، فرامین وارشادات معصومین، کتب احادیث میں بکھرے ہوئے عصمتی گوہرہای آبدار بھی نگاہوں سے پوشیدہ رہ گئے، میدان تحقیق اور اقلیم تصانیف کے خود ساختہ شہسواران حق و حقیقت کے گل بوٹوں سے محروم اپنی حرماں نصیبی پر پردہ ہی ڈال سکتے تھے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے جس کا نتیجہ اتہامات وافتراء کی شکل میں صفحات قرطاس پر آج بھی موجود ہے۔

---

[1] فرائد السمطین، ج ۲، ص ۱۳۶

فاطمی طرز تربیت

علی عباس حمیدی

اسلام اپنے زیر اثر معاشرے کو اولاد کی بقاو تحفظ کا ذریعہ تصور کرتا ہے۔ اور اس کو نعمتِ عظمیٰ قرار دے کر اس کی پرورش کا حکم دیتا ہے۔ اسلام نے خاندان کا جو تصور پیش کیا ہے اس کی ایک فرد بچے ہیں۔ بچے والدین کے نام و نمود کا ذریعہ ہیں۔ وہ مستقبل کے معمار، خاندان کو آگے بڑھانے کا ذریعہ ہیں، وہ اللہ کی نعمت ہیں ان ہی سے قوم و قبیلہ کی پہچان ہوتی ہے ان ہی سے معاشرے کا ارتقااور اس کی متحرک زندگی کی رنگینیاں ہیں۔

بچے کی تربیت کوئی سادہ اور آسان بات نہیں کہ جسے ہر ماں باپ آسانی سے انجام دے سکیں۔ بلکہ یہ کام بہت سی ظرافتوں کا حامل ہے۔ جس گھر میں ایک دوسرے سے دوستانہ برتاؤ ہوتا ہے اس کے بچے عام طور پر متین، خود دار اور انصاف پسند ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ گھر جس میں ماں باپ کے درمیان روز روز کی نوک جھونک رہتی ہے اس کے بچے بد اخلاق، بہانہ ساز اور غصیلے ہوتے ہیں۔[1]

مربی کا تعلق بچے کی روح سے ہوتا ہے اسی لئے کوئی مربی، روحانی نفسیاتی علمی اور تجرباتی پہلوؤں سے آگاہی کے بغیر اپنی ذمہ داری بخوبی انجام نہیں دے سکتا۔ بچے کی بنیادی تربیت میں ماں کا کردار نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ ماں ہی بچے کی سب سے پہلی مربی ہوتی ہے۔ اسی لئے ہم نے سوچا ہے کہ تربیت اولاد کو اس خاتون والا مقام کی نگاہ سے بیان کیا جائے کہ جس کی تربیت نے ان کے بیٹوں کو جنت کے جوانوں سردار بنادیا اور اس گود کے پالوں نے ظالموں اور ستمگاروں کو رسوا کر دیا۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ذات وہ ہے جس نے سید المرسلین سے تربیت پائی کہ جن کی تربیت خداوند متعال نے فرمائی جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ادبنی ربی جس کے بعد اس مقام پر فائز ہو گئے کہ خداوند متعال نے فرمایا **وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی** اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بلندی اخلاق کی سند سے بھی نوازا "**وانك لعلی خلق عظیم**" اس بنا پر شہزادی دو عالم حضرت فاطمہ زہرا شرعی منبع تربیت سے بہرہ مند تھیں اور آپ نے الٰہی مربی کے زیر تربیت رہ کر تربیت پائی اور اپنے بچوں کو بضعۃ الرسول بن کر تربیت کی لہذا ان کی پیروی قیامت تک آنے والی ماوں کے لئے اسوہ حسنہ ہے۔

آپ کی تربیت کا طریقہ الٰہی تربیت کا ایک نمونہ ہے جس کی ایک جھلک قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے تاکہ اس طرز کو اپنا کر ہم ہر ماہر نفسیات اور مربی اخلاق سے بے نیاز ہو جائیں۔

اسوہ سازی

---

[1] (روان شناسی تجربی کودک ص ۱۹۱)۔

ہر ماں کو چاہئے کہ وہ بچے کو اس کے نیک باپ کے اخلاق حسنہ کی ترغیب دلائے اور اس کو آئیڈیل کی شکل میں پیش کرے تاکہ وہ اپنے نیک باپ کی سیرت کو اپنائے۔ بچوں میں تقلید کا مادہ ہوتا ہے وہ اپنے بڑوں کو دیکھ کر ان ہی کے جیسا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ شہزادی کونین کی تربیتی سیرت یہی ہے۔

حضرت فاطمہ زہراؑ اپنے بیٹے حسنؑ کو جب پیار کرتی تھیں تو وری کے انداز میں یہ جملے ارشاد فرماتی تھیں:

أشبه أباکَ یا حَسَن   واخلَع عَنِ الحقّ الرسَن

واعبُد إلهاً ذا مَنن   ولا تـوالِ ذا الأحَـن -[1]

اے حسن اپنے والد کی طرح بنو اور حق کی گردن سے رسی اتار پھینکو اور نعمت عطا کرنے والے خدا کی عبادت کر اور کینہ پرستوں کو دوست نہ رکھو۔

چونکہ حضرت علیؑ قدرت حق اور صفات الہی کے مظہر ہیں لہذا فرماتی ہیں اپنے والد کی شبیہ بنو البتہ شباہت علم انصاف شجاعت اور تقوی وغیرہ ہے جنہیں علیؑ بہت پسند فرماتے ہیں۔ آپ کا ہدف تھا، اپنے والد کے نقش قدم پر چلو۔

فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا بچوں کو شجاعت اور دفاع حق اور عبادت الہی کا درس دیتی تھی اور انھیں مختصر جملوں میں چار حساس مطالبے بچے کو یاد دلاتی رہتی تھیں یعنی باپ کی طرح بہادر بننا اور اللہ کی عبادت کرنا اور حق سے دفاع کرنا اور ان اشخاص سے دوستی نہ کرنا جو کینہ پرور اور دشمن ہو۔

طرز تعلیم و تربیت

سیرت حضرت زہرا کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ آپ بچوں کی تعلیم و تربیت کو اتنا اہم سمجھتی تھیں کہ اپنا قیمتی وقت اپنے بچوں کی تعلیمی سرگرمیوں میں صرف فرماتی تھیں۔

آپ اپنے فرزند حضرت امام حسن مجتبیؑ کو ہر روز مسجد میں بھیجا کرتی تھیں۔ امام حسنؑ بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ بیان کرتے تھے وہ سب کچھ ذہن نشین کر لیتے تھے اور جب اپنے گھر واپس آتے تو اپنی والدہ ماجدہ جناب سیدہ کونینؑ کو من و عن سناتے تھے اور جب حضرت امیر المؤمنینؑ گھر تشریف لاتے تھے تو حضرت صدیقہ طاہرہؑ وہ سب باتیں ان کے سامنے بیان کر دیتی تھیں۔ ایک دن حضرت امیر المؤمنینؑ نے پوچھا اے فاطمہ تم تو مسجد میں نہیں گئیں ان باتوں کا علم تمہیں کہاں سے ہوا؟ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ مجھے میرا بیٹا حسن بتلاتا ہے وہ ہر روز مسجد میں جاتا ہے اور اپنے جد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ سنتا ہے وہ مجھے گھر آکر بتا دیتا ہے۔

حضرت نے فرمایا فاطمہؑ! میں بھی یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کا بیٹا کیسے بتلاتا ہے۔ جناب صدیقہ طاہرہ (س) نے فرمایا میرا خیال ہے کہ وہ شرم کی وجہ سے آپ کے سامنے نہیں سنا پائے گا حضرت نے فرمایا میں کسی جگہ پر چھپ کر اس کی باتیں سن لوں گا اگلے دن امام حسنؑ ہر روز کی طرح مسجد سے گھر آئے تو حضرت صدیقہؑ نے فرمایا: اے میرے نور نظر! تمہارے نانا نے آج کیا فرمایا ہے؟ امام حسنؑ ہر روز کی طرح بیان

[1] (بحار الانوار ج ۴۳ ص ۲۸۶)

کرنا چاہتے ہیں لیکن زبان مبارک میں لکنت آجاتی ہے اور اپنی بات حسب سابق مکمل طور پر بیان نہ کر سکے فرمایا: **یا اماہ قل بیانی و کل لسانی لعل سیداً یر انی**"۔ اے والدہ گرامی! میرا بیان کم ہوگیا ہے اور میری زبان کو ہکلاہٹ ہوگئی شاید کوئی بزرگوار مجھے دیکھ رہا ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام جلدی سے دروازے کے پیچھے سے نکل آئے اور بے اختیار انہیں اپنی آغوش میں بٹھایا اور ان کے ہونٹوں کا بوسہ لیا۔[1]

اس سیرت سے سمجھ میں آتا ہے کہ ماں باپ اگر بچوں کی تعلیم میں دلچسپی لیں اور ان کے آموختہ کو سنیں تو ان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ بچے کو اسکول بھیجنے کے بعد والدین کی ذمہ داریوں کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ ابتدائی دنوں میں بچے کو والدین اور اساتذہ دونوں کی طرف سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ جب بچے کے کورے دماغ کے صفحات پر ذخیرہ الفاظ جمع ہونے شروع ہوتے ہیں۔ اس دوران بچے کے ذخیرہ الفاظ میں اضافے اور ان الفاظ کی درست تلفظ کے ساتھ ادائگی کے لیے بچے پر انفرادی توجہ دینا ضروری ہے۔

ایک دن رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: کہ جس کا خط اچھا ہو اس کی طاقت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ بس بچوں کا یہ سننا تھا کہ دونوں بچے اپنی والدہ سے اصرار کرنے لگے: والدہ گرامی ہم خطاطی کرنا چاہتے ہیں اور آپ یہ فیصلہ کیجئے کہ کس کا خط اچھا ہے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ کون زیادہ طاقتور ہے۔

غرض! دونوں بھائیوں حسن وحسین علیہما السلام نے اپنی اپنی تختیوں پر خطاطی کی اور جب کام مکمل ہوگیا بچے اپنی والدہ کی خدمت میں آئے اور فیصلہ کرنے کا اصرار کیا لیکن بنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے بچوں جاؤ اپنے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر فیصلہ کراؤ چونکہ وہ ہم میں سب سے افضل ہیں بچے نانا کی خدمت میں گئے لیکن سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی فیصلہ نہیں کیا بلکہ ان کی والدہ فاطمہ زہرا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیج دیا تاکہ فیصلہ سے جو حیرانی ہو ماں کی محبت سے اس کی تلافی ہوجائے۔

فاطمہ زہراؑ نے دیکھا کہ دونوں کی تحریر خوب ہے دونوں نے اس ہنر کے مقابلہ میں شرکت کی ہے تو کیا کیا جائے؟ لہٰذا خود مخاطب کر کے فرمایا: اَنَا مَاذَا اَصْنَعُ وَ کَیْفَ اَحْکُمُ بَیْنَهمَا؟

اب میں کیا کروں؟ اپنے ان دونوں بچوں کے درمیان کیسے فیصلہ کروں؟

نہایت ہی دوراندیشی اور تربیتی مسائل کی رعایت کرتے ہوئے بچوں کا فیصلہ خود بچوں پر چھوڑتے ہوئے فرمایا: "**یَاقُرَّتَیْ عَیْنِیَ اِنِّی اَقْطَعُ قِلَادَتِی عَلٰی رَاْسِکُمَا وَاَنْثُرُ بَیْنَکُمَا جَوَاهِرَ هٰذِهِ الْقَلَادَةِ فَمَنْ اَخَذَ مِنْهَا اَکْثَرَ فَخَطُّهُ اَحْسَنُ وَتَکُوْنُ قُوَّتُهُ اَکْثَرَ**"۔ اے میرے نور چشم! میں اپنے گلوبند کا دھاگا توڑتی ہوں اور اس کے موتی تمہارے سر پر ڈالتی ہوں، اس کے موتی تمہارے سامنے بکھر جائیں گے تم میں سے جو بھی اس ہار کے زیادہ موتی چنے گا اس کا خط اچھا سمجھا جائے گا اور اسی کو زیادہ قوی تصور کیا جائے گا۔

---

[1] ۔ کتاب راہنمائے بہشت، جلد اول ص ۱۶۳

واقعاًمرحلہ بہت سخت تھا کہ بچوں کے دل بھی نہ ٹوٹے اور انہیں انصاف بھی مل جائے لہٰذا تقدیر الہی یہ ٹہری کہ جتنے موتی امام حسنؑ کے ہاتھ آئے اتنے ہی موتی امام حسینؑ نے چنے اور نتیجہ مل گیا کہ دونوں بھائیوں کی تحریر بھی ایک جیسی ہے اور دونوں کی طاقت بھی ایک جیسی ہے۔

عبادات سے انس کی تربیت

نفسیات کے ماہرین کے درمیان یہ بحث ہے کہ بچوں کے لیے دینی تعلیمات اور تربیت کس وقت سے شروع کی جائے ایک گروہ کا نظریہ ہے کہ بچہ جب تک بالغ نہ ہو وہ عقائد اور افکار دینی کو سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتا اور بالغ ہونے تک اسے دینی امور کی تربیت نہیں دینی چاہیے. لیکن ایک دوسرے گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ بچے بھی اس کی استعداد رکھتے ہیں اور انہیں دینی امور کی تربیت دینی چاہیے تربیت کرنے والے دینی مطالب اور مذہبی موضوعات کو سادہ اور آسان کر کے انہیں سمجھائیں اور تلقین کریں اور انھیں دینی امور اور اعمال کو جو آسان ہیں بجالانے پر تشویق دلائیں تاکہ ان کے کان ان دینی مطالب سے آشنا ہوں اور وہ اپنے دینی اعمال اور افکار پر نشو ونما پا سکیں اسلام اسی دوسرے نظریے کی تائید کرتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ بچوں کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھانے کی تاکید کریں.[1]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دینی امور کی تلقین حضرت زہرا علیہا علیہ السلام کے گھر بچپن اور رضاعت کے زمانے سے جاری کر دی تھی. امام حسن علیہ السلام دنیا میں آئے اور انھیں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں لے گئے تو آپ نے انہیں بوسہ دیا اور دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور امام حسین علیہ السلام کی ولادت کے موقع پر بھی یہی عمل انجام دیا۔[2]

حضرت فاطمہ نے اپنے بچوں کو عام واجبات کے علاوہ نذر و منت جیسے مفاہیم کو سمجھنے اور ان کو عملی جامہ پہنانے کی بھی تربیت دی.

جب ایک بار امام حسن اور امام حسین بیمار ہوئے تو آپ کے خاندان نے نذر مانی کہ اگر وہ شفایاب ہوئے تو وہ تین دن روزہ رکھیں گے. نیز اس واقعہ میں افطار پر تین دن ایثار کیا گیا اور کھانا خدا کی راہ میں دے دیا گیا یوں ایثار کی اعلیٰ مثال قائم کر دی گئی۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے بچوں کو سادگی اور قناعت کے اصول کے ساتھ ایثار کا خوگر بنا دیا. آپ نے اپنے بچوں کو ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرنے کی تربیت دی. اس واقعہ پر سورۃ الدھر کی آیات شاھد ہیں. **ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکیناً و یتیماً و اسیرا.**[3]

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا شب قدر میں اس قدر اہتمام ہوتا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں"**:وَ کَانَتْ فَاطِمَۃُ علیہا السلام لَا تَدَعُ اَحَداً مِنْ اَھْلِھَا یَنَامُ تِلْكَ اللَّیْلَةَ وَ تُدَاوِیھِمْ بِقِلَّةِ الطَّعَامِ وَ تَتَأَھَّبُ لَھَا مِنَ النَّھَارِ وَ تَقُولُ مَحْرُومٌ مَنْ حُرِمَ خَیْرَھَا**"[4] جناب فاطمہؑ کا شب قدر میں معمول تھا کہ آپ اپنے اہل خانہ میں کسی کو اس مبارک شب میں سونے نہیں دیتی تھیں،

---

[1] (بحار الانوار جلد ۴۳ ص ۲۴۰)

[2] (بحار الانوار جلد ۴۳ ص ۲۴۰)

[3] (سورہ دہر آیت ۸)

[4] (مستدرک الوسائل، ج ۷، ص ۴۷۰)۔

اس کے لئے رات میں کھانا کم دیتیں اور دن میں آرام کرواتیں، آپ ہمیشہ فرماتی تھیں، دنیا کا سب سے محروم وہ شخص ہے جو اس رات کی عبادتوں سے محروم رہے۔

عبادت خدا کے ساتھ رابطہ اور راز و نیاز کا ذریعہ ہے عبادت تربیت کرنے کا ایک موثر طریقہ ہے. انسانی زندگی عبادت کے بغیر ناقص رہ جاتی ہے جناب زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر میں بچے اپنی ماں کو خدا کے ساتھ مضبوط و مستحکم رابطے اور راز و نیاز میں مصروف دیکھتے اور یہ چیز بچوں کو بہت متاثر کرتی تھی اور بچے بھی عبادت خداوندی کی طرف مائل ہوتے تھے امام حسین علیہ السلام جن کا عبادت میں کوئی ثانی نہیں تھا اپنی ماں جناب زہرا سلام اللہ علیہا کی عبادت کے بارے میں فرماتے ہیں:

رایتُ اُمّی فاطمة فی محرابھا لیلة جمعة فلم تزل راکعة وساجدة حتیٰ اتضح عمود الصبح ۔[1] میں نے اپنی ماں کو جمعہ کی ساری رات عبادت میں مشغول دیکھا کہ وہ محراب میں کھڑی ہے کہ ان کے رکوع و سجود ختم نہیں ہوتے ہیں یہاں تک کہ صبح کی روشنی واضح ہو گئی.

دائمی نظارت

تربیت کرنے کے لئے دائمی نظارت کا خیال رکھنا بڑی اہمیت رکھتا ہے بچوں کا اٹھنا بیٹھنا کس کے ساتھ ہے، وہ کہاں جاتے ہیں اور کیا کرتے ہیں یہ تربیت میں بڑا کردار رکھتا ہے اور حضرت زہرا علیہا السلام اس چیز سے غافل نہیں تھیں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا ہمیشہ اپنے بچوں کی بہترین انداز میں نظارت رکھتی تھیں. جیسا کہ رسول اللہ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زہرا کے گھر تشریف لائے تو آپ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ زہرا پریشان دروازے کے پیچھے کھڑی ہیں۔ آپ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پریشانی دریافت کی تو حضرت زہرا ﷺ نے پریشانی کی حالت میں فرمایا میرے بچے صبح سے باہر نکل کے گئے ہیں اب تک ان کی کوئی خبر نہیں تو رسول اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بچوں کی تلاش میں نکلے اور بچوں کو گھر لے کر آئے.[2]

موقع شناسی

تربیت کرنے کے لئے موقع شناسی بہت ہی اہم عنصر ہوتا ہے اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا بہترین موقع شناس تھیں. آپ نے موقع شناسی کے اس اصول کو بروقت ملحوظ رکھا. جیسا کہ رحلت رسول اللہ ﷺ کے بعد نظام امامت کے دفاع کیلئے مسجد میں خطبہ دینا وغیرہ.. اور مختلف مواقع پر اس موقع کے مطابق حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اپنے بچوں کو نصیحت فرمایا کرتی تھیں.

محبت اور عاطفت

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے اصول تربیت کا جائزہ لیا جائے تو اس میں ہمیں محبت اور عاطفے کی بنیاد پر تربیت کرنے کے واضح نشانات مل جاتے ہیں. حضرت زہرا کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ بچے اس فطری جذبے کی تسکیں میں کمی محسوس نہ کریں. جس کی واضح مثال یہ ہے

---

[1] (علل الشرائع جلد ۱ ص ۱۷۳)

[2] (وسائل شیعہ جلد ۲ ص ۱۳)

کہ جناب زہرا سلام اللہ علیہا بستر بیماری میں تشریف فرما تھیں اس وقت آپ نے حضرت علی علیہ السلام سے وصیت فرمائی کہ میرے بعد امامہ سے شادی کریں کیونکہ وہ میری طرح بچوں پر مہربان ہو نگی:

اوصيك اولا ان تزوج بعدي ابنة اختي امامة فانها تكون لولدي مثلي [1]

میں پہلے تو آپ کو وصیت کرتی ہوں کہ میرے بعد میری {خالہ زاد} بہن کی بیٹی کے ساتھ شادی کرنا کیونکہ وہ میرے بچوں پر میری طرح مہربان ہوگی. اسی طرح حضرت علی علیہ السلام سے بچوں پر توجہ دینے کے حوالے سے فرمایا: **فان تزوجت امراة اجعل لها يوما و لاولادي يوما وليلة** ،[2] یا علی اگر آپ کسی عورت سے شادی کرتے ہیں تو ایک دن ان کے لئے دینا اور ایک رات اور ایک دن میرے بچوں کے لئے دینا.

شخصیت

نفسیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ اپنے بچے کی تربیت کرنے والے کو بچے کی شخصیت کی پرورش کرنی چاہیے. اور بچے کو خود اعتمادی کا درس دینا چاہیے یعنی اس میں اعتماد نفس اجاگر کیا جائے تاکہ وہ بچہ بڑی شخصیت اور بڑا آدمی بن سکے. اگر بچے کی تربیت کرنے والے اس بچے کا احترام نہ کریں اور اس کو حقیر شمار کریں اس کی شخصیت کو ٹھیس پہنچاتے رہیں تو یہ بچہ خود بخود احساس کمتری کا شکار ہو جائے گا اور اپنے آپ کو بے قیمت اور حقیر جاننے لگے گا اور جب جوان ہو گا تو اپنے آپ کو اس لائق ہی نہیں سمجھے گا کہ کوئی بڑا کارنامہ انجام دے. اس قسم کا آدمی معاشرے میں بے اثر ہو گا اور اپنے آپ کو بہت آسانی سے پست کاموں کے لئے حاضر کر دے گا برخلاف اگر وہ اپنے آپ کو صاحب شخصیت اور باوقار سمجھتا ہو تو پھر وہ پست کاموں کے لئے تیار نہ ہو گا اور ذلت و خواری کی زیر بار نہ ہو گا اس قسم کی نفسیاتی کیفیت ایک حد تک ماں باپ کی روحانی کیفیت اور خاندانی تربیت سے وابستہ ہوا کرتی ہے۔

فاطمہ الزہرا حسنین کو رسول خدا کی خدمت میں لائیں اور عرض کی: **هذان ابناك مورثهما شيئا** یہ آپ کے دو بیٹے ہیں انہیں کوئی چیز ارث میں دیجیئے فرمایا: **أما حسن فله هيبتي وسؤددي وأما حسين فله جرأتي وجودي** فرمایا حسن کے لئے میری ہیبت اور سیاوت ہے اور حسین کے لئے میری جرات و سخاوت ہے پھر جناب سیدہ نے فرمایا میں راضی ہو گئی میرے **حسن حلیم باحشمت ہیں حسین سخی اور شجاع ہیں** [3]

[1] امالی شیخ صدوق ص ۲۵۷

[2] العوالم ج ۱۱ ص ۵۰۳

[3] ابن عساکر - صفحہ ۱۲۳

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کئی دفعہ امام حسن اور امام حسین علیہ السلام کے بارے میں فرمایا یہ جوانان جنت کے بہترین افراد میں سے ہیں اور ان کا باپ ان سے بھی بہتر ہے[1] اور ایک جگہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنین علیہما السلام کے بارے میں فرمایا تم خدا کے ریحان ہو۔[2]

باہمی امداد کی تربیت

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا بھی باہمی امداد کی صفت کو اپنے بچوں کے ذہنوں میں مستحکم کرنا چاہتی تھیں. آپ گھر کے امور کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کی مدد فرماتی تھیں گھر کے کاموں میں حضرت فضہ کی مدد کرتی تھیں.

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اپنے بچوں کی تربیت میں ان تمام باتوں کو ملحوظ فرمایا جو آج علم نفسیات اور تربیت کے محکم اصول بن چکے ہیں۔ باالفاظ دیگر، ماہرین علوم تربیت کو سیرت حضرت فاطمہ کا مطالعہ کر کے انسان کامل بنانے کے اصول اسالیب سیکھنے چاہئیں۔

---

۱ بحار الانوار جلد ۴۳ ص ۲۴۰

۲ بحار الانوار جلد ۴۳ ص ۲۴۰

فقہ حضرت زہرا علیہا السلام کے چند نمونے

سید منظور عالم جعفری سرسوی

مقدمہ:

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کائنات کی وہ عظیم خاتون ہیں جن کی دنیامیں کوئی مثال نہیں ہے، آپ کے فضائل ومناقب میں اب تک ہزاروں کتابیں مختلف زبانوں میں تالیف وتصنیف کی جاچکی ہیں، کسی غیر معصوم کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ آپ کے فضائل اور مناقب کو بیان کر سکے، آپ آئمہ معصومین علیہم السلام پر حجت خدا ہیں، مرسل اعظمؐ سے مروی ہے کہ جس نے آپؑ کو سمجھ لیا گویا اس نے شب قدر کو درک کر لیا،یہ ہی وہ عظیم خاتون ہیں جن کی وجہ سے مالک ارض وسماں نے اس کائنات ومافیہا کو خلق کیا، آپ نے وحی ربانی کے سایہ میں تربیت پائی تھی کیونکہ،جو وحی مرسل اعظم ﷺ پر ہوتی تھی وہ فورا اپنی بیٹی کو تعلیم فرمادیتے تھے رسول خداؐنے اپنی بیٹی جناب فاطمہؑ کو انسانی اور اسلامی تہذیب کے خوبصورت ترین اصولوں اور آسمانی مفاہیم ومعارف کی تعلیم دی۔

حضرت فاطمہ زہراءؑ نے احکام،ادعیہ، اخلاق اور بے پناہ علم دانش اور دیگر تمام علوم اپنے پدر بزرگوارؐ سے سیکھے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو الہام کے ذریعے علم ومعرفت بھی عطا فرمایا۔

شیعہ آپؑ کو معصوم مانتے ہیں اور جس طرح دیگر معصومین کے قول وفعل وعمل سے استنباط کرتے ہیں اسی طرح بہت سے احکامات میں بھی آپؑ کے اقوال وافعال اور سیرت عملی سے علمائے شیعہ نے اپنی کتب فقہی میں استنباط کیا، علمائے اہل سنت نے بھی صحابیہ رسول ﷺ ہونے کی وجہ سے مختلف مسائل واحکام اسلامی میں آپ کی سیرت سے استنباط کیا ہے۔

حضرت زہرا علیہا السلام کی ذات گرامی،فضائل وکمالات کاوہ سمندر ہے کہ جن کے بارے میں ایک یاچند مقالوں سے کسی ایک پہلو پر بھی سیر حاصل بحث نہیں کی جاسکتی، لیکن عربی زبان کے اس مشہور ومعروف مقولہ «مالایدرک کلہ لایترک کلہ» کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مقالہ میں کوشش کی گئی ہے کہ **فقہ حضرت زہرا علیہا السلام** عنوان کے ذیل میں کچھ مطالب بیان کروں، تاکہ میں اور آپؑ کے چاہنے والے اپنی زندگی کو کسی حد تک ان کی زندگی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں اور انہیں راہ حق پر چلنے کے لیے نمونہ عمل قرار دیں۔

فلسفہ احکام:

فقہاء کرام نے آپ کے مشہور معروف خطبہ فدک سے بعض اہم اسلامی احکام کے حرام وحلال ہونے کے فلسفہ کو بیان کیا ہے۔ جیسا کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ نے تمہارے لئے ایمان کو شرک سے پاک ہونے کا وسیلہ بنایا، اور خدا نے نماز فرض کی تاکہ تکبر سے بچ سکو، زکوٰۃ کو نفس کی پاکیزگی اور رزق کی زیادتی کاذریعہ بنایا، اور روزوں کو اخلاص کی مضبوطی کاذریعہ بنایا۔ اور حج کو دین کی مضبوطی کاوسیلہ بنایا اور عدل وانصاف کوواجب کرکے دلوں کو ایک دوسرے سے جوڑا اور ہماری اطاعت کو ملت اسلام کا نظام بنایا اور ہماری امامت کو تفرقہ سے بچنے کے لئے امان قرار دیا اور جہاد کو اسلام کی عزت بنایا اور مصیبت میں صبر کو تحصیل اجر میں مددگار بنایا اور امر

بالمعروف میں عوام الناس کی مصلحت کو قرار دیا۔ والدین کے ساتھ نیکی کو اس لئے واجب کیا کہ غضب خدا سے محفوظ رہا جائے اور صلہ رحم اس لئے مقرر کیا تاکہ عمر میں اضافہ ہو اور تعداد بڑھے اور قصاص اس لئے واجب کیا کہ خون ریزی کو روکا جائے اور نذ ووفا کی راہ اس لئے نکالی کہ بندوں کی مغفرت مقصود تھی، اور پیمانہ اور وزن پورا کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ نقصان سے بچاؤ ممکن ہو، اور شراب سے اس لئے ممانعت فرمائی کہ بندے برے اخلاق سے پاک رہیں اور زنا کا بے جا الزام لگانا اس لئے حرام کیا کہ اس لعنت کے سامنے ایک حجاب اور رکاوٹ پیدا ہو، اور چوری کو اس لئے ممنوع قرار دیا کہ دوسروں کے مال میں بے اجازت تصرف کرنے سے لوگ باز رہیں اور خدا نے شرک کو اس لئے حرام کیا کہ اس کی ربوبیت کا اقرار خالص رہے[1]۔

اس خطبہ میں حضرت زہراؑ نے مختلف احکام اسلامی کی طرف اشارہ کیا خصوصا احکام ارث کو آیات قرآنی، احادیث پیغمبرﷺ اور قاعدہ ید کے ذریعہ استنباط کیا ہے، لہذا تمام مسلمانوں کو چاہیے زندگی میں ایک بار ضرور معارف اسلامی سے بھرپور بی بی دو عالمؑ کے اس عظیم الشان خطبہ کا مطالعہ کریں۔

شراب کی حرمت:

مولائے کائناتؑ فرماتے ہیں کہ جناب فاطمہؑ نے اپنے والد بزرگوار نبی اکرمﷺ سے نقل کیا ہے کہ: «ہر نشہ آوار چیز حرام ہے اور ہر نشہ آور چیز شراب ہے۔» [2]

اسی طرح آپؑ نے ایک دوسری روایات میں اپنے بابا رسول اکرمﷺ سے نقل فرمایا ہے «جس نے بھی شراب پی اور اس سے لذت اٹھائی اس کی چالیس شبانہ روز تک نماز قبول نہیں ہوگی» [3]۔

کھانا کھانے کے واجبات، مستحبات اور آداب:

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: «کھانے سے متعلق بارہ امور ہیں جن کا جاننا ہر مسلمان کے لیے واجب ہے، جن میں سے چار واجب، چار مستحب اور چار آداب ہیں، لیکن وہ چار چیزیں جن کا خیال رکھنا واجب ہے وہ یہ ہیں: خدا کی پہچان، اس کی رضا حاصل کرنا، اس کے سامنے تسلیم تام ہونا اور اور اس کی نعمتوں کا شکر کرنا۔

اور وہ چار باتیں جن کو مد نظر رکھنا مستحب ہے وہ یہ ہیں: کھانے سے پہلے وضو کرنا، بیٹھ کر کھانا، بائیں طرف بیٹھنا اور تین انگلیوں سے کھانا۔ وہ چار باتیں جو کھانا کھانے کے آداب میں سے ہیں، وہ یہ ہیں: اپنے سامنے سے کھانا، چھوٹا لقمہ بنانا، خوب چبانا اور اور دوسرے کھانے والوں کی طرف کم نگاہ کرنا۔» [4]۔

شادی بیاہ کے اور امور خانہ داری کے احکام:

---

[1] کلینی، الکافی، ج۵، ص۵۰۹/حر عاملی، وسائل الشیعہ، ج۱۴، ص۱۱۷

[2] طبری دلائل الامامت، ص۳۰

[3] عوالم العلوم ج۱۱، ص ۶۲۴

[4] عوالم العلوم ج۱۱، ص ۶۲۴

شادی کرنا اسلام میں مستحب موکد ہے اور معصومین علیہم السلام کی اس سلسلے میں متعدد روایات موجود ہیں جن سے فقہاء نے شادی کے استحباب موکد ہونے پر استدلال کیا ہے، انہی روایات میں سے ایک روایات امام صادقؑ سے منقول ہے کہ ایک عورت نے دعوی کیا کہ شادی نہ کرنا فضیلت ہے، آپؑ نے سیرہ حضرت زہراؑ سے استنباط کرتے ہوئے فرمایا: شادی نہ کرنا اگر فضیلت ہوتا تو حضرت زہراؑ اس فضیلت کی سب سے زیادہ سزوار تھیں[1]۔

شاید شادی کی عظمت و اہمیت ہی کو مد نظر رکھتے ہوئے بعض فقہاء امامیہ نے ذی الحجہ کے پہلے دن روزہ رکھنے کے استحباب کی وجہ حضرت فاطمہؑ اور امام علیؑ کی شادی کو قرار دیا ہے[2]۔

امور خانہ داری:

اسلام میں گھر کے کاموں کا عورت پر انجام دینا واجب نہیں ہے، لیکن فقہاء نے اس کے استحباب پر سیرت حضرت زہراؑ سے استدلال کیا ہے۔ جیسا کہ روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے گھر کے کاموں کی ذمہ داری حضرت زہراؑ کو دی اور باہر کے کاموں کی ذمہ داری حضرت علیؑ کو تو حضرت زہراؑ نے اس تقسیم پر خدا کا شکر کیا اور اپنے لئے باعث افتخار سمجھا[3]۔

بچہ کی ولادت کے بعد کے احکام:

اسلامی احکام میں بچہ کی ولادت کے بعد کچھ آداب و مستحبات ہیں، ان میں زیادہ تر حضرت زہراؑ سے منسوب ہیں یا ان سے مربوط تھے۔

ان احکامات میں سے مندرجہ ذیل احکام و آداب کی کتب فقہی اور روائی میں تاکید کی گئی ہے:

۱- **عقیقہ:** بچہ کا عقیقہ کرنا مستحب ہے، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے عقیقہ کے بارے میں بعض روایات میں رسول اللہ ﷺ کے لیے ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے حکم فرمایا[4]، بعض روایات میں ملتا ہے کہ حضرت زہراؑ نے دستور فرمایا[5] اسی طرح عقیقہ کے گوشت کی تقسیم کے سلسلے میں دائی کے لیے ایک ران یا چوتھائی گوشت کو اس کا حصہ قرار دینا بھی جناب زہراؑ سے منسوب ہے[6]۔

۲- **بچہ کے بالوں کے برابر صدقہ دینا** بھی آپؑ ہی کی سیرت ہے[7]۔

۳- **ساتویں دن بچہ کی ختنہ** کرنے کے استحباب کا حکم بھی آپؑ ہی کی طرف منسوب ہے جیسا کہ امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا حضرت زہراؑ نے اپنے بیٹوں کی ختنہ ساتویں دن کرائیں[8]۔

---

[1] کلینی، الکافی، ج۵، ص۵۰۹/ حر عاملی، وسائل الشیعہ، ج۱۴، ص۱۱۷.

[2] محقق حلی، المعتبر فی شرح المختصر، ج۲، ص۱۰۷/ علامہ حلی، تذکرہ الفقہا، ج۶، ص۱۹۴.

[3] ابن قدامہ، المغنی، ج۸، ص۱۳۰/ سرخسی، المبسوط، ج۱۶، ص۵۵.

[4] کلینی، الکافی، ج۳، ص۳۲/ طبرسی، مکارم الاخلاق، ص۲۲۸.

[5] صدوق، عیون اخبار رضا، ج۱، ص۵۰/ مجلسی، بحارالانوار، ج۴۳، ص۲۴۰.

[6] کلینی، الکافی، ج۶، ص۲۷/ طوسی، المبسوط، ج۱، ص۳۹۵

[7] طبرسی، مکارم الاخلاق، ص۲۲۸/ مجلسی، بحارالانوار، ج۴۴، ص۱۳۶.

[8] نووی، المجموع، ج۱، ص۳۰۷

۴- **بچہ کے کان میں اذان اور اقامت کہنا:** جیسا کہ امام رضاؑ سے مروی ہے کہ آپؑ نے حضرت فاطمہ الزہراؑ سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسینؑ کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی[1]۔

میت سے متعلق احکام:

میت سے مرتبط احکام میں بھی فقہائے امامیہ نے حضرت زہراؑ کی سیرت سے استدلال کیا ہے جیسا کہ: **محتضر کے احکام**، احکام کفن، عورتوں کا تشیع جنازہ میں شرکت کرنا، رات کو دفن کرنا، آداب کفن، میت کا تابوت، میت پر گریہ و بکاء کرنا، شوہر کا بیوی کو غسل و کفن دینا، وصیت کرنا، میت کے لیے قرآن خوانی کرنا اور قبرستان میں جانا وغیرہ کے استنباط میں حضرت زہرا کے قول و فعل و سیرت سے استفادہ کیا ہے[2]۔

ہم اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے اتنے ہی مسائل کی طرف اشارہ کرنے پر یہاں اکتفاء کرتے ہیں ورنہ ان مسائل کی طرح لاتعداد مسائل ہیں جن میں فقہاء نے حضرت زہرا کی سیرت یا قول سے استنباط کیا ہے بعض فقہاء نے اس عنوان سے کتابیں بھی تحریر کی ہیں۔

[1] صدوق، عیون اخبار الرضا، ج۱، ص ۲۸/ حر عاملی، وسائل الشیعہ، ج۱۵، ص ۱۳۹.

[2] علامہ حلی نے، منتہی المطلب، ج۱، ص ۴۴۶ ـ و ۴۵۸، اور تذکرہ الفقہا، ج ۲، ص ۴۶ اور ۱۲۰ پر اور نہایہ الاحکام، ج ۲، ص ۲۱۷ پر بیان کیا ہے، اسی طرح کلینی نے، الکافی، ج ۳، ص ۱۳۷/ حر عاملی نے، وسائل الشیعہ، ج ۲، ص ۶۷۴ پر بیان کیا ہے)۔

فدک اور خطبہ فدکیہ کا اجمالی تعارف!

سید تقی عباس رضوی کلکتوی

فدک: عربی زبان کا لفظ ہے جو کہ خیبر کے قریب ایک زمینی رقبہ ہے جو سعودی عرب کے شمال میں خیبر کے مقام پر مدینہ سے تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے اور اس کے بارے میں یہ بھی کہا گیا کہ حجاز کا ایک کنارہ ہے جس میں چشمے اور کھجوروں کے درخت ہیں۔

خطبہ فدکیہ: سیدۂ عالمیان حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے اس ''شعلہ بیاں خطبے'' کو کہا جاتا ہے جو آپؑ نے مسجد نبویؐ میں غصب فِدک کے اعتراض پر ارشاد فرمایا۔۔۔۔

- فدک اور واقعہ فدک:

فدک، مدینہ منورہ کے قریب خیبر کے مقام پر ایک زرخیز علاقہ تھا۔ جو حجاز کے علاقہ میں مدینہ سے ایک سو ساٹھ کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، جس میں یہودی آباد تھے۔ جب ۷ ہجری میں خیبر کے قلعے یکے بعد دیگرے اسلامی فوجوں نے فتح کر لئے اور یہودیوں کی مرکزی قوت ٹوٹ گئی تو فدک کے رہنے والے یہودی صلح کے خیال سے خدمتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سر تسلیم خم کرتے ہوئے آئے اور انہوں نے اپنی نصف زمینیں اور باغات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر دیئے اور نصف اپنے پاس رکھے رہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصہ کی زمینوں کی کاشتکاری بھی اپنے ذمہ لی، اپنی کاشتکاری کی زحمت کی اجرت وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وصول کرتے تھے۔
''سورۂ حشر، آیت ۷'' کے پیش نظر یہ زمینیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت تھیں، اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بنی ہاشم اور مدینہ کے دیگر غریبوں، تنگدستوں اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے یا ان مقامات میں خرچ کرتے تھے جن کی طرف سورہ حشر، آیت نمبر ۷ میں اشارہ ہوا ہے:

''مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ...'' آیت: وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ ...اور تم اپنے رشتے داروں کو ان کا حق دو۔'' کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ کائنات حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کو ہبہ کر دیا۔

جیسا کہ مفسر قرآن آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی اپنی ایک تحریر بالخصوص تفسیر نمونہ، جلد ۲۳ میں رقمطراز ہیں کہ: سرکار ختمی مرتبت ﷺ نے یہ ساری زمینیں اپنی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو عنایت فرمادیں، یہ ایسی حقیقت ہے جسے بہت سے شیعہ اور اہل سنت مفسرین نے صراحت کے ساتھ تحریر کیا ہے، منجملہ دیگر مفسرین کے تفسیر در منثور میں ابن عباس سے مروی ہے کہ: جس وقت آیت: "فاٰتِ ذَا القُربىٰ حَقّهُ" نازل ہوئی تو پیغمبر نے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو فدک عنایت فرمایا: "اقطعَ رَسُول الله فاطمةَ فَدَکاً." [1]

کتاب کنزالعمال، جو مسند احمد کے حاشیہ پر لکھی گئی ہے، میں صلہ رحم کے عنوان کے تحت ابو سعید خدری سے منقول ہے کہ جس وقت مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو پیغمبر ﷺ نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو طلب کیا اور فرمایا: "یا فاطمۃ لكِ فدك" "اے فاطمہ! فدک تمہاری ملکیت ہے"۔ [2] حاکم نیشاپوری نے بھی اپنی تاریخ میں اس حقیقت کو تحریر کیا ہے۔

ابن ابی الحدید معتزلی نے بھی نہج البلاغہ کی شرح میں داستان فدک تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے اور اسی طرح بہت سے دیگر مورخین نے بھی۔ لیکن وہ افراد جو اس اقتصادی قوت کو حضرت علی علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کے قبضہ میں رہنے دینا اپنی سیاسی قوت کے لئے مضر سمجھتے تھے، انہوں نے مصمم ارادہ کیا کہ حضرت علی علیہ السلام کے یاور وانصار کو ہر لحاظ سے کمزور اور گوشہ نشیں کردیں، جعلی حدیث نَحنُ مُعَاشَرَ الانبیاءِ لَا نُورِّث.

ہم گروہ انبیاء میراث نہیں چھوڑتے کے بہانے انہوں نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا! باوجودیکہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا قانونی طور پر اس پر متصرف تھیں اور کوئی شخص "ذوالید" (جس کے قبضہ میں مال ہو) سے گواہ کا مطالبہ نہیں کرتا، جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے گواہ طلب کئے گئے، بی بی نے گواہ کے طور پر حضرت علیؑ اور ام ایمن کو پیش کیا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے خود انہیں فدک عطا فرمایا ہے لیکن انہوں نے ان تمام چیزوں کی کوئی پرواہ نہیں کی، البتہ بعض نقل کے مطابق ابوبکر نے فدک کو ان کا حق تسلیم کرتے ہوئے تائید میں انہیں ایک تحریری نوشتہ دیا؛ لیکن خلیفہ دوم عمر بن خطاب نے اسے پھاڑ دیا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ بیٹی کو حق پدر سے تو محروم رکھا گیا لیکن خلیفہ سوم عثمان بن عفان کے دور خلافت میں اسی "فدک" کو مروان جیسے مجہول النسب شخص کو بخش دیا گیا۔۔۔ اور اس طرح مسئلہ فدک بنی امیہ و بنی عباس کے حکمرانوں کا کھلونا رہا اور اہل بیتؑ نبوتؐ کو اس پر کبھی مکمل تصرف حاصل کرنے نہیں دیا گیا! [3]

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی کہتے ہیں: واقعہ فدک اور اس سے متعلق مختلف واقعات جو صدر اسلام میں اور بعد میں پیش آئے، نہایت المناک اور غم انگیز ہیں اور یہ تاریخ اسلام کا ایک عبرت انگیز حصہ بھی ہے جو محققانہ اور منصفانہ طور پر مستقل مطالعہ کا متقاضی ہے تاکہ تاریخ اسلام کے مختلف واقعات نگاہوں کے سامنے آسکیں۔

---

[1] در منثور، جلد ۴ صفحہ ۱۷۷

[2] کنزالعمال، جلد ۲ صفحہ ۱۵۸

[3] فیض الباری جلد ۱۲ صفحہ ۶۲۱

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اہل سنت کے نامور محدث مسلم بن حجاج نیشاپوری نے اپنی مشہور و معروف کتاب "صحیح مسلم" میں جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا خلیفہ اول سے فدک کے مطالبہ کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے، اور جناب عائشہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ جب خلیفہ اول نے جناب فاطمہؑ کو فدک نہیں دیا تو بی بی دو عالمؑ ان سے ناراض ہو گئیں اور آخر عمر تک ان سے کوئی گفتگو نہیں کی![1]

بعض (اہل سنت) منابع کے مطابق، جب ابو بکر بن ابی قحافہ نے صدیقۂ طاہرہؑ کے گواہوں کو قبول نہیں کیا اور شہادت کے لئے دو مردوں کو طلب کیا۔ سیدہ دو عالم حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے دیکھا کہ اس مطالبہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو آپؑ اپنی بعض رشتہ دار خواتین کے ساتھ مسجد میں تشریف لے گئیں۔

ابن طیفور کے نقل کے مطابق، جس وقت آپؑ مسجد میں گئیں ابو بکر اور مہاجرین و انصار کا ایک گروہ وہاں موجود تھا، آپؑ کے اور مجمع کے درمیان ایک پردہ سے حائل کیا گیا، پہلے آپؑ نے گریہ و بکا کیا، آپؑ کے اس دلخراش آہ و بکا سے سبھی پر گریہ طاری ہو گیا آپؑ کے رونے پر وہاں موجود سبھی رونے لگے، اس کے بعد آپؑ کچھ دیر ٹھہریں تاکہ مجمع خاموش ہو جائے اس کے بعد آپؑ نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ چونکہ آپؑ نے یہ خطبہ فدک کے مصادرہ کے بعد اس پر اعتراض کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا اس لئے یہ خطبہ فدکیہ (لمۃ) کے نام سے مشہور ہوا۔

خطبے کی سند اور اس کے راویان:

علامہ مجلسی نے خطبہ فدکیہ کو مشہور خطبوں میں شمار کیا ہے جسے شیعہ اور اہل سنت نے مختلف سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔ شیخ صدوق نے بھی کتاب من لایحضرہ الفقیہ میں اس کے بعض حصے نقل کئے ہیں۔

آیت اللہ منتظری کے مطابق اس خطبہ کی قدیمی ترین سند کتاب بلاغات النساء تالیف احمد بن طاہر مروزی ہے جو ابن طیفور (۲۰۴۔۲۸۰ھ) کے نام سے مشہور اہل سنت عالم دین ہیں جو زمانہ کے اعتبار سے امام علی نقیؑ و امام حسن عسکریؑ کے معاصر تھے۔

ابن طیفور نے اس خطبہ کو دو روایت سے ضبط و ثبت کیا ہے۔ اس خطبے کے راویوں میں حضرت امام حسنؑ امام حسینؑ حضرت زینب کبریٰ، حضرت امام باقرؑ اور حضرت امام صادقؑ، حضرت عائشہ، عبد اللہ بن عباس وغیرہ جیسی نامور ہستیاں شامل ہیں۔

خطبہ کا مضمون:

خطبہ حمد و توصیف الٰہی سے شروع ہوتا ہے۔ پھر اس میں بعثت پیغمبر ﷺ کا ذکر ہے اس کے بعد حضرت علی ﷺ کی آنحضرت ﷺ سے قربت، اولیائے الٰہی کے درمیان ان کی سرداری، ان کی بے مثال دلیری، شجاعت اور نبی اکرمؐ اور اسلام سے دفاع کا ذکر ہے۔

اصحاب رسول کی اس بنیاد پر سرزنش کی گئی ہے کہ وہ پیغمبر ﷺ کے بعد پیروئے شیطان ہو گئے، ان میں نفاق ظاہر ہو گیا اور انہوں نے حق کو ترک کر دیا۔ اسی طرح سے اس میں غصب خلافت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہوا ہے اور ابو بکر کے کلام کہ انبیاء اپنی میراث نہیں چھوڑتے ہیں کو حکم قرآن کے خلاف بیان کیا گیا ہے۔ اس خطبہ میں آپ نے ابو بکر کے اس مسئلے کو قیامت کے روز خدا کے سپرد کیا اور پھر صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ کیوں صحابہ پیغمبر اس ستم پر خاموش بیٹھے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب جہاد، جلد ۳ ص ۱۳۸۰ حدیث ۵۔

پھر آپ نے واضح طور پر کہا کہ جو ابو بکر اور ان کے ساتھیوں نے کیا وہ خدا سے اپنے ایمان کے عہد کو توڑنے کے مترادف ہے۔ آخر میں انہیں اس کام کی وجہ سے دوزخ کی وعید سنائی۔

خطبے کی اہمیت و منزلت:

خطبہ فدک میں حضرت فاطمہ زہراؑ کے حکومت وقت کے خلاف سیاسی مواضع، فدک کا مصادرہ کرنے والوں اور اہل خلافت کی سرزنش کا تذکرہ ہے۔ اس خطبہ میں اسلامی معاشرہ میں امامت و ولایت اہل بیتؑ کو قبول کرنے کے ذیل میں ایجاد وحدت و اتحاد اور تفرقہ و نفاق سے دوری پر تاکید کی گئی ہے۔ یہ خطبہ اس میں مذکور توحید، معاد، نبوت و بعثت پیامبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عظمت قرآن، فلسفہ احکام و ولایت جیسے معارف کی وجہ سے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے نفیس ترین دینی میراث کے طور پر متعارف ہوا ہے۔

اسی طرح سے اس خطبہ کو فصاحت و بلاغت اور فن خطابت میں مشہور عقلی و منطقی خصوصیات کے استعمال کی وجہ سے حضرت علیؑ کے خطبہ کے ہم پلہ ہونے کو اس خطبہ کی اہمیت کے دلائل میں شمار کیا گیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ابن طیفور نے اپنی کتاب بلاغات النساء میں اس کا شمار فصیح و بلیغ خطبات میں سے کیا ہے۔

اس خطبہ کا متن شیعہ و سنی مآخذ میں نقل ہوا ہے۔ سید عزالدین حسینی زنجانی، حسین علی منتظری، مجتبی تہرانی اس خطبہ کی شرح لکھی ہے۔

خطبہ کی شرحیں:

خطبہ فدکیہ کی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ آقا بزرگ تہرانی کتاب الذریعہ میں ان میں بعض کے ناموں کا تذکرہ کیا ہے: جیسے کشف المحجۃ فی شرح خطبۃ اللمۃ شارح سید عبد اللہ شبر، شرح خطبۃ اللمہ شارح کرمانی مشہدی، شرح خطبۃ اللمہ شارح سید علی نقی نقوی لکھنوی و شرح خطبۃ اللمہ شارح فضل علی قزوینی۔ اسی طرح سے علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں اس خطبہ اور اس کے مصادر کو ذکر کرنے کے بعد اس کی شرح و تفسیر لکھی ہے۔ نقل ہوا ہے کہ علامہ مجلسی کی شرح اس کی سب سے اہم شرح ہے۔

اس خطبہ کی بعض دیگر شرحیں مندرجہ ذیل ہیں:

خطبہ حضرت فاطمہ زہرا (س) و واقعہ فدک شارح حسین علی منتظری، انتشارات خرد آوا، خطبہ آتشین بانوی اسلام در بستر شہادت تالیف ناصر مکارم شیرازی، شرح خطبہ حضرت زہرا (س) مولف سید عزالدین حسینی زنجانی، انتشارات بوستان کتاب، بحثی کوتاہ پیرامون خطبہ فدکیہ مولف مجتبی تہرانی، مؤسسہ پژوہشی مصابیح الہدی، خطبہ فدکیہ، مبانی معرفتی و زمینہ ہای تاریخی مولف سید محمد مہدی میر باقری، نشر تمدن نوین اسلامی. و۔۔۔۔

خُطبہ فدکیہ:

مذکورہ بالا تمام دلائل و اسناد کے پیش نظر یہی وہ خُطبہ فدکیہ یا خطبۃ لُمّیّہ ہے جو آپؑ نے ابو بکر کے فدک لینے کے اعتراض میں مسجد نبوی میں ارشاد فرمایا۔ ابو بکر نے خلافت حاصل کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث منسوب کر کے جس میں یہ کہا گیا کہ انبیاء الٰہی اپنے بعد میراث نہیں چھوڑتے ہیں، فدک کے علاقے کو جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ کو ہبہ کیا تھا، خلافت کی طرف سے مصادرہ کر لیا۔

فاطمہ نے انصاف سے مایوس ہو کر مسجد نبوی کا رخ کیا اور اور وہاں آپؑ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ انہوں نے اس خطبہ میں فدک پر اپنے حق مالکیت کی تصریح کی۔

اسی طرح سے انہوں نے اس خطبہ میں خلافت حضرت علی علیہ السلام کا حق ہونے کا بھی دفاع کیا اور مسلمانوں کو اہل بیتؑ پر ہونے والے ظلم کے مقابلہ میں سکوت اختیار کرنے کی سرزنش کی۔ یہ خطبہ، معارف کا مجموعہ ہے جس میں خدا شناسی، معادشناسی، پیغمبر اکرمؐ کی نبوت و بعثت، قرآن کی عظمت و رأفت، فلسفہ احکام، ولایت و خلافت جیسے مطالب کے بیان کے ساتھ ساتھ خلافت، حضرت علیؑ کا حق ہونے کا بھی دفاع کیا اور مسلمانوں کو اہل بیتؑ پر ہونے والے ظلم کے مقابلہ میں سکوت اختیار کرنے کی سرزنش بھی کی ہے۔ جس کا ایک فراز ہم اپنے قارئین کرام کے لئے تبرکاً پیش کر رہے ہیں تفصیلی مطالعات اور معلومات کے لئے بیان شدہ مصادر و مدارک کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

خطبہ فدکیہ سے ایک اقتباس

فَلَمّا اِختارَ اللّٰہُ لِنَبِیِّہِ دار اَنْبِیائِہِ وَ مَأْوی اَصْفِیائِہِ، ظَهَرَ فیكُمْ حَسْكَةُ النِّفاقِ، وَ سَمَلَ جِلْبابُ الدّینِ، وَ نَطَقَ كاظِمُ الْغاوینَ، وَ نَبَغَ خامِلُ الْاَقَلّینَ، وَ هَدَرَ فَنیقُ الْمُبْطِلینَ، فَخَطَرَ فی عَرَصاتِكُمْ، وَ اَطْلَعَ الشَّیْطانُ رَأْسَهُ مِنْ مَغْرَزِهِ، هاتِفاً بِكُمْ، فَاَلْفاكُمْ لِدَعْوَتِهِ مُسْتَجیبینَ، وَ لِلْغِرَّةِ فیهِ مُلاحِظینَ، ثُمَّ اسْتَنْهَضَكُمْ فَوَجَدَكُمْ خِفافاً، وَ اَحْمَشَكُمْ فَاَلْفاكُمْ غِضاباً، فَوَسَمْتُمْ غَیْرَ اِبِلِكُمْ، وَ وَرَدْتُمْ غَیْرَ مَشْرَبِكُمْ.

هذا، وَ الْعَهْدُ قَریبٌ، وَالْكَلْمُ رَحیبٌ، وَ الْجُرْحُ لَمّا یَنْدَمِلْ، وَ الرِّسُولُ لَمّا یُقْبَرْ، اِبْتِداراً زَعَمْتُمْ خَوْفَ الْفِتْنَةِ، اَلا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوا، وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحیطَةٌ بِالْكافِرینَ.

پھر جب اللہ نے اپنے پیغمبر کیلئے انبیاء کا گھر اور اوصیاء کی آرام گاہ منتخب کرلی، تو تم میں نفاق کی علامتیں ظاہر ہونا شروع ہوگئیں، اور دین کا لباس کہنہ نظر آنے لگا، اور گمراہوں کی خاموشیاں ٹوٹ گئیں، کمینے لوگ عزت دار بنے اور اہل باطل کا نازوں پلا اونٹ تمہارے دروازں تک پہنچ گیا، اور شیطان نے کمین گاہ سے اپنا سر باہر نکال کر تمہیں دعوت دی جب اس نے دیکھا کہ اس کی دعوت پر مثبت جواب دینے والے ہو، اور دھوکہ کھانے کیلئے آمادہ ہو تو اس وقت اس نے آپ سے چاہا کہ قیام کرو، اور جب دیکھا کہ آپ آسانی سے یہ کام انجام دینگے، تو آپ کو غصے میں لے آیا، اور جب دیکھا کہ آپ غصبناک ہیں تو آپ نے غیروں کے اونٹوں پر پلان لگائے اور ایسے پانی میں داخل ہوئے جو آپ کا حصہ نہ تھا۔

یہ سب کچھ ماضی قریب کی باتیں ہیں، اور ابھی تک زخموں کے نشان واضح تھے اور زخم بھرے نہیں تھے اور پیغمبر اسلام ﷺ دفن نہیں ہوئے تھے، تم نے بہانہ کیا کہ فتنہ سے ڈرتے ہو، آگاہ رہو کہ اب فتنہ میں پڑے ہو، حقیقت ہے کہ جہنم نے کافروں کا احاطہ کر رکھا ہے[1]۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ جناب صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی طرف سے فدک کا مطالبہ اور وقت کے حاکم سے غصبناک ہونا ایک قسم کا سیاسی حربہ اور خلافت کو غصب کرنے والے اہل سقیفہ کے چہرے سے نقاب اٹھانا اور اہل بیت علیہم السلام کی مظلومیت اور خلافت

---

[1] رجوع کریں زندگانی فاطمہ زہراؑ، ص ۱۳۱-۱۳۲

اور امامت کے مسئلے میں اہل بیت علیہم السلام کے اہل حق ہونے کو ثابت کرنے کے لئے تھا۔ لہٰذا یہ نزاع صرف زمین کے ایک ٹکڑے کو حاصل کرنے کے لئے نہیں تھا۔

جیسا کہ امام کاظم علیہ السلام اور ہارون الرشید کے درمیان پیش آنے والا واقعہ مشہور ہے کہ اس میں امام علیہ السلام نے فدک کی حدود کے بیان میں اسلامی حکومت کی ساری سرزمین کو فدک کی حدود کے طور پر بیان فرمایا:

وَ فِي كِتَابِ أَخْبَارِ الْخُلَفَاءِ أَنَّ هَارُونَ الرَّشِيدَ كَانَ يَقُولُ لِمُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ علیه السلام خُذْ فَدَكاً حَتَّى أَرُدَّهَا إِلَيْكَ فَيَأْبَى حَتَّى أَلَحَّ عَلَيْهِ فَقَالَ علیه السلام لَا آخُذُهَا إِلَّا بِحُدُودِهَا قَالَ وَ مَا حُدُودُهَا قَالَ إِنْ حَدَدْتُهَا لَمْ تَرُدَّهَا قَالَ بِحَقِّ جَدِّكَ إِلَّا فَعَلْتَ قَالَ أَمَّا الْحَدُّ الْأَوَّلُ فَعَدَنُ فَتَغَيَّرَ وَجْهُ الرَّشِيدِ وَ قَالَ إِيهاً قَالَ وَ الْحَدُّ الثَّانِي سَمَرْقَنْدُ فَارْبَدَّ وَجْهُهُ وَ الْحَدُّ الثَّالِثُ إِفْرِيقِيَةُ فَاسْوَدَّ وَجْهُهُ وَ قَالَ هِيهِ قَالَ وَ الرَّابِعُ سِيفُ الْبَحْرِ مِمَّا يَلِي الْجُزُرَ وَ أَرْمِينِيَةَ قَالَ الرَّشِيدُ فَلَمْ يَبْقَ لَنَا شَيْءٌ فَتَحَوَّلْ إِلَى مَجْلِسِي قَالَ مُوسَى قَدْ أَعْلَمْتُكَ أَنَّنِي إِنْ حَدَدْتُهَا لَمْ تَرُدَّهَا فَعِنْدَ ذَلِكَ عَزَمَ عَلَى قَتْلِهِ وَ فِي رِوَايَةِ ابْنِ أَسْبَاطٍ أَنَّهُ قَالَ: أَمَّا الْحَدُّ الْأَوَّلُ فَعَرِيشُ مِصْرَ وَ الثَّانِي دُومَةُ الْجَنْدَلِ وَ الثَّالِثُ أُحُدٌ وَ الرَّابِعُ سِيفُ الْبَحْرِ فَقَالَ هَذَا كُلُّهُ هَذِهِ الدُّنْيَا فَقَالَ هَذَا كَانَ فِي أَيْدِي الْيَهُودِ بَعْدَ مَوْتِ أَبِي هَالَةَ فَأَفَاءَهُ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ بِلَا خَيْلٍ وَ لَا رِكَابٍ فَأَمَرَهُ اللَّهُ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى فَاطِمَةَ علیها السلام...

کتاب اخبار الخلفاء میں نقل ہوا ہے: ہارون الرشید نے امام کاظم علیہ السلام سے کہا: «فدک کو لے لو میں اسے تم لوگوں کو واپس پلٹا دوں». امام نے قبول نہیں فرمایا، ہارون نے کہا: اپنے جد بزرگوار کی قسم اس کے حدود اور سرحدیں بیان کریں، جب اصرار بڑھا تو امام نے فرمایا فدک کو اس کی تمام حدود کے ساتھ ہی قبول کروں گا، ھارون نے کہا: اس کی حدود کیا ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر میں بتاوں تو قبول نہیں کروگے اور امام نے پہلی حد ''عدن'' کو قرار دیا ہارون کا چہرا بگڑا، امام علیہ السلام نے فرمایا: دوسری حد ''سمرقند'' ہے، ہارون کے چہرے کا رنگ مٹی کی طرح ہوا، فرمایا:

تیسری حد ا''فریقا'' ہے، ہارون کے چہرے کا رنگ کالا ہوا اور کہا: آگے بتاو؛ امام نے فرمایا: چوتھی حد ''سیف البحر'' ہے کہ جو جزائر اور ارمنیہ کے سرحد پر ہے۔

ھارون رشید نے کہا پھر ہمارے لئے کوئی چیز باقی نہیں بچے گی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: «میں نے کہا تھا: اگر میں بتاوں تو واپس نہیں کروگے». اسی وقت ھارون نے امام کو شہید کرنے کا ارادہ کیا.

ابن اسباط کی روایت کے مطابق امام نے فرمایا: «پہلی حد عَریش مصر، دوسری حد دُومۃ الجَندل، تیسری حد اُحد، چوتھی سرحد سیف البحر».

ہارون نے کہا: «یہ تو پوری دنیا ہے».

امام علیہ السلام نے فرمایا: «یہ زمینیں ابی ہالہ کے مرنے کے بعد یہودیوں کے ہاتھ میں تھیں، اللہ نے جنگ و جدال اور لشکر کشی کے بغیر یہ رسول ﷺ کو عطاء فرمایا اور اللہ نے اسے فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بخش دینے کا حکم دیا۔[1]

امام در واقع یہ بتانا چاہتے تھے کہ حکومت ہمارا حق ہے اور یہ ہم سے غصب کیا ہوا ہے اور فدک کا ہم سے چھن جانا سیاسی مسئلہ تھا۔ جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے بھی اسی مطلب کی طرف اشارہ فرمایا:

بَلَى كَانَتْ فِي أَيْدِينَا فَدَكٌ مِنْ كُلِّ مَا أَظَلَّتْهُ السَّمَاءُ، فَشَحَّتْ عَلَيْهَا نُفُوسُ قَوْمٍ وَسَخَتْ عَنْهَا نُفُوسُ قَوْمٍ آخَرِينَ، ...[2]

فخر الدین طریحی کے مطابق فدک رسول اللہ اور امام علیؑ نے فتح کیا اور اس پر حکم فیء ہٹ گیا اور مالِ انفال کا عنوان لاگو ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگانی میں یہ جناب فاطمہؑ کے ہاتھوں میں تھا اور وہی انہوں نے ہی اس کا انتظام سنبھالا ہوا تھا۔ لیکن رحلتِ رسول ﷺ کے بعد حکومتِ وقت نے زور زبردستی کے ساتھ یہ چھین لیا۔

حضرت امام علیؑ نے اس کی حدود اس وقت کی تمام ریاستِ اسلامی قرار دیا ہے۔ یعنی امام علیؑ کی نگاہ میں فدک ریاستِ اسلامی کی حکومت سے کنایہ ہے اور فدک حقیقت میں سیاسی حیثیت رکھتا ہے جس سے مراد پوری اسلامی ریاست میں رسول اللہ ﷺ کے جانشین کی ولایت ہے۔ اس لیے اگر فدک پلٹایا جائے تو اس سے مراد ریاستِ اسلامی کی حکومت ان کے اہل کو لوٹا دی جائے[3]۔

اہل سنت کا ایک عالم ابن ابی الحدید معتزلی کہتا ہے: میں نے اپنے استاد سے سوال کیا: کیا فاطمہ اپنے اس دعوے میں سچی تھی؟ جواب دیا: ہاں، تو میں نے کہا پھر کیوں انہیں واپس نہیں کی گئی۔ تو انہوں نے ہنس کر کہا: اگر ایسا کرتا تو دوسرے دن وہ خلافت کا مطالبہ کرنے آتی۔[4]

لہذا جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اہل سقیفہ کو رسوا کرنے کے لئے ایک تاریخ ساز کردار ادا کیا اور آپ نے حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کے بعد رونما ہونے والے انحرافات کو سمجھنے اور حقیقت لوگوں تک پہنچانے کے لئے چراغ راہ کا کام انجام دیا۔۔۔

فدک کو غصب کرنے اسباب و وجوہات:

پہلی وجہ:

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا اور اہل بیت رسول ﷺ کو معاشی طور سے کمزور کر دیا جائے۔ مولا علی علیہ السلام، جو جناب زہرا سلام اللہ علیہا کے شوہر ہیں، نے اپنی خلافت کو دعویٰ پیش کیا تھا اور ابو بکر کی خلافت کو قبول نہیں کیا تھا۔ فدک کو چھین کر انھیں اقتصادی طور پر کمزور کر دیا جائے۔ اس جانب سے وہ آپ علیہا السلام کی معاشی اور معاشرتی حیثیت پر ایک گہری ضرب لگانا چاہتے تھے۔

---

[1] ابن شہر آشوب مازندرانی، محمد بن علی، مناقب آل آبی طالب علیہم السلام، ج ۴، ص ۳۲۰، قم، چاپ: اول، ۱۳۷۹ق.

[2] نہج البلاغہ خط ۴۵

[3] طریحی، فخر الدین، مجمع البحرین، ج ۳، ص ۳۷۱

[4] شرح نہج البلاغۃ - ابن ابی الحدید ص: ۴۶۸۶

یہی راستہ کفّارِ قریش نے رسالتمآب ﷺ کے ابتدائی ایّام میں اختیار کیا تھا جس کے ذریعہ انھوں نے مسلمانوں پر ایک طرح کی اقتصادی پابندی لگادی تھی تاکہ بذاتِ خود آنحضرت ﷺ اور اُن کا مشن دونوں کمزور پڑ جائیں۔

دوسری وجہ:

یہ تھی کہ فدک کی آمدنی کثیر تھی۔ ابن ابی الحدید معتزلی کے مطابق باغِ فدک کے پیڑوں کی تعداد کوفہ کے پیڑوں کے برابر تھی۔

علّامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجہ میں فدک کی سالانہ آمدنی ۲۴۰۰۰ دینار بتائی ہے۔

دوسری روایت میں اسے ۷۰۰۰۰ دینار بتایا گیا ہے۔ ظاہر ہے اتنی بڑی آمدنی سرکاری نظر سے کیسے بچ سکتی تھی، بالخصوص تب جب کہ بنی ہاشم اُس سے فیضیاب ہو رہے ہوں۔

تیسری وجہ

ابوبکر نے اپنی خلافت کا دعویٰ اور اعلان کر تو دیا مگر کچھ نہایت محترم اور باوثوق اصحابِ رسول ﷺ اُن کی خلافت کے مخالف ہو گئے جیسے مولا علی علیہ السلام، مالک بن نویرہ، زبیر بن عوام وغیرہ۔ حکومت پر اپنی پکڑ جمانے کے لئے اور مخالفت کو کمزور کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اِن بغاوتوں کو کچلا جائے۔ باغِ فدک کا غصب کرنا اور مالک بن نویرہ جیسے جلیل القدر صحابی کا قتل کروا دینا اسی مقصد کا پیش خیمہ تھا۔

چوتھی وجہ

باغِ فدک کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے فوج کی دیکھ ریکھ پر خرچ کیا کرتے تھے۔ اگر جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا اس ملکیت کی آمدنی کو ابوبکر کو دینے سے انکار کر دیتیں تو اس سے ابوبکر کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ کھڑا ہو سکتا تھا۔ فوج کے اخراجات کا مسئلہ تو کھڑا ہوتا ہی ساتھ ہی اس کے سبب ابوبکر کی فوج پر گرفت کمزور ہو جاتی۔

پانچویں وجہ

رسول اللہ ﷺ نے یہ باغ اپنی دختر کو دیا تھا اور اُن کے عامل اس باغ کی دیکھ ریکھ کیا کرتے تھے۔ اس باغ کو چھین کر ابوبکر نے یہ ظاہر کرنا چاہا کہ اب میں حاکم ہوں اور میرا حکم چلے گا۔ یعنی میں اور میرا فیصلہ حکومت کی باگ ڈور سنبھالیں گے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو بھی پلٹ سکتا ہوں۔

چھٹی وجہ

یہ تھی کہ یہ غصب فدک سے تمام مدینہ والوں اور اطراف کے علاقوں پر پوری طرح کا قبضہ جمالینا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ سب جان لیں کہ جب علی و فاطمہ علیہما السلام کی مخالفت کو کچلا جا سکتا ہے تو انصار و مہاجرین کی کیا بساط ہے!

بہر حال غصب فدک سے معرض وجود میں آنے والا ناقابل فراموش واقعہ، پیغمبر اسلام ﷺ کی لخت جگر، بی بی دو عالم جناب سیدہ کائنات کی المناک شہادت تاریخ اسلام کے ماتھے پر تاقیامت ایک بدنما داغ ہے جس کا احساس و اقرار خلیفہ اول نے بھی کیا ہے: اے کاش میں فاطمہؑ کا دروازہ نہ توڑتا۔۔۔!

کتاب الاموال، ابن قتیبہ دینوری نے کتاب الامامۃ والسیاسۃ، طبری نے اپنی تاریخ، ابن عبد ربہ نے کتاب العقد الفرید، مسعودی نے کتاب مروج الذہب، طبرانی نے کتاب المعجم الکبیر، مقدسی نے کتاب الاحادیث المختارہ، شمس الدین ذہبی نے کتاب تاریخ الاسلام میں ان تمام معتبر علماء نے ابوبکر کے اعتراف کرنے والی روایت کو بہت تھوڑے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔

مجھے کسی شے پر کوئی افسوس نہیں ہے، مگر صرف تین چیزوں پر افسوس ہے کہ:

اے کاش میں تین چیزوں کو انجام نہ دیتا، اور اے کاش کہ تین چیزوں کو انجام دیتا، اور اے کاش کہ تین چیزوں کے بارے میں رسول خدا سے سوال پوچھ لیتا، اے کاش میں فاطمہ کے گھر کی حرمت شکنی نہ کرتا، اگرچہ اس گھر کا دروازہ مجھ سے جنگ کرنے کے لیے ہی بند کیا گیا ہوتا۔۔۔۔[1]

امید ہے حق کے متلاشی اس تاریخی حقائق کو تعصب کے عینک سے نہیں بلکہ حق و حقیقت اور عقل و شعور کے عینک سے دیکھیں گے اس لئے کہ تعصب انسان کو ہزار طرح کی نیکیوں کے حاصل کرنے سے باز رکھتا ہے۔

[1] العقد الفرید ۲۱ طبع بیروت، تاریخ ابن عساکر، ج ۳۰ ص ۲۱۸ طبع بیروت، تاریخ اسلام ذہبی، ج ۳ ص ۱۱۸ طبع بیروت معجم الکبیر، ج ۱، ص ۶۲ طبع مصر الامامہ والسیاسہ، ص ۲۸ طبع بیروت، مروج الذہب، ج ۲، ص ۲۶۷ طبع بیروت

حضرت فاطمہ زہراؑ کی عظمت علامہ اقبال کی نگاہ میں

ڈاکٹر ذیشان حیدر عارفی

علامہ اقبال کی ذات شاعری دنیا میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے کون ہے جو ان کو نہیں پہچانتا ان کا مشہور ترانہ "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا" ہندوستان سے محبت کرنے والے ہندوستانیوں کی زبان سے آپ کو سنائی دے گا علامہ اقبال ایک بلند فکر کے عظیم الشان شاعر تھے جو اردو اور فارسی زبان میں اشعار کہتے تھے وہ ایک وطن پرست ہونے کے ساتھ ساتھ انقلابی شاعر تھے انھوں نے جہاں انسانیت کو بیدار کرنے کے لئے اشعار کہے وہیں اسلامی دنیا کے لئے بھی بہت اشعار کہے ہیں خاص طور سے اہل بیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ان کے بہت سے اشعار ملتے ہیں لیکن ہم یہاں صرف حضرت فاطمہ زہرا ؑ کی شان میں ان کے کچھ فارسی اشعار کا ذکر کریں گے جو ان کی حضرت فاطمہ زہراؑ سے بے پناہ عقیدتمندی کی دلیل ہیں ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے ان اشعار کو عقیدت میں ڈوب کر کہا ہے علامہ اقبال بی بی دو عالم کے بارے میں اس طرح رطب اللسان ہوتے ہیں :

مریم از یک نسبتِ عیسی عزیز از سه نسبت حضرت زهرا عزیز

حضرت مریمؑ کی عظمت اور مقام حضرت عیسیٰؑ جیسے اولعزم نبی سے صرف ایک نسبت کی بنا پر ہے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ماجدہ ہیں مگر حضرت فاطمہؑ کی شان دیکھیے کہ ان کو یہ شرف تین طرح سے حاصل ہے۔

نورِ چشم رحمۀ للعالمین آن امام اولین و آخرین

آنکه جان درپیکر گیتی دمید روزگارِ تازه آئین فرید

۱۔ وہ رحمۃ للعالمین کی نور نظر ہیں جو اگلوں پچھلوں تمام انسانوں کے امام ہیں کہ جن کے وجود مبارکؑ نے مردہ جہان کے اندر ایک روح پھونک دی، اور اس جہان میں نئے اور تازہ اسلامی آئین کے ذریعے بشریت کو زندہ کر دیا حضرت فاطمہ زہرا کا مقام ایک نسبت سے یہ کہ وہ ایسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی ہیں کہ جو نبیوں کے سردار ہیں اور ان کی شریعت قیامت تک باقی رہنے والی ہے .

بانوی آن تاجدارِ ''هل اتی'' مرتضی مشکل کشاء شیرِ خدا

پادشاه و کلبه ئی ایوان او یک حسام و یک زره سامان او

۲۔ ان کی بلندی و عظمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اس ذات والا مقام کی زوجہ ہیں، کہ جس کے سر پر سورۂ دہر کا تاج رکھا ہوا ہے۔ اور وہ حضرت علی مرتضیٰؑ مشکل کشا اور شیر خدا ہیں۔

اس بادشاہ (علیؑ) کا قصرِ بادشاہی، ایک جھونپڑی ہے جس کا ساز و سامان ایک زرہ اور ایک تلوار ہے۔

۳۔ ان کی فضیلت کی تیسری وجہ ان کا امام حسن اور امام حسین کی مادر گرامی ہونا ہے اس بات کو علامہ اقبال اس طرح بیان کرتے ہیں :

مادرِ آن مرکزِ پرکارِ عشق مادرِ آن کاروان سالارِ عشق

وہ امام حسینؑ کی مادر گرامی ہیں جن کو علامہ اقبال نے ”پرکارِ عشق“ کے مرکز سے تعبیر کیا ہے شاید علامہ اقبال کی نظر میں حضور ﷺ کی یہ حدیث شریفہ ہو ”إِنَّ لِقَتْلِ الْحُسَيْنِ (علیه السلام) حَرَارَةً فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لَا تَبْرُدُ أَبَداً شہادت حسینؑ کی مومنین کے دلوں ایسی (محبت کی) گرمی ہے میں ہے جو کبھی ٹھنڈی نہ ہو گی آج بھی دنیا امام حسین کو یاد کرتی ہے نہ صرف مسلمان بلکہ بڑے بڑے غیر مسلم راہنما بھی امام حسینؑ کو یاد کرتے ہیں اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب باوفا کی جرئت اور شجاعت کی داستان نے ان کو ہمت دلائی کہ جس کی بنا پر انھوں نے ظلم کے خلاف قیام کیا اور بالاخرہ کامیاب ہوے دنیا بھر میں جہاں کہیں بھی حریت و آزادی کی جو بھی تحریک ہو اس کے امام و رہبر حضرت زہراؑ کے فرزند امام حسینؑ ہیں۔

آن یکی شمع شبستان حرم حافظ جمعیت خیر الامم

تا نشیند آتشِ پیکارو کین پشتِ پا زد برسرِ تاجِ و نگین

ان کا دوسرا بیٹا (امام حسنؑ) شمع شبستانِ حرم ہے۔ کہ جس نے ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ ایک نازک دور میں بکھرنے سے بچایا۔
امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے تاج و نگین اور اقتدار کو ٹھکرا دیا، تاکہ یہ اُمت مسلمہ باقی رہے۔
پھر علامہ اقبال نے کہا کہ یہ تو ان کی نسبتوں سے ان کی فضیلت تھی لیکن اس کے علاوہ جب ہم اس عظیم خاتون کے کردار پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی فضیلت کا اور اندازہ ہوتا ہے۔

مزرع تسلیم را حاصل بتول مادران را اسوه کامل بتول

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا خداوند متعال کے آگے مکمل طور پر سر تسلیم خم کئے تھی اور اس تسلیم و رضا میں اس مقام پر تھی کہ ان کی رضا خدا کی رضا اور ان کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہو گئی تھی اس لئے علامہ اقبال فرماتے ہیں فاطمہؑ تسلیم و رضا کی کھیتی کا گل سرسبد ہیں پیغمبر گرامی ﷺ نے بھی فرمایا ہے: فاطمہؑ تیرے راضی ہونے سے خدا راضی ہوتا ہے اور تیرے ناراض ہونے سے خدا ناراض ہوتا ہے۔
اسی طرح وہ حضرت زہراؑ کی سخاوت کے بارے میں کہتے ہیں بنت رسول ﷺ نے خود فاقے رکھے مگر ضرورت مند اور محتاجوں کی مدد کی وہ اس کو اس طرح نظم کرتے ہیں:

بهر محتاجی دلش آن گونه سوخت به یهودی چادرِ خود را فروخت

ایک ضرورت مند غریب کی خاطر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا دل تڑپا تو اپنی چادر یہودی کو فروخت کر دی تاکہ اس سے اس غریب کی مدد ہو جائے اور اس کی ضرورت پوری ہو جائے اس کے علاوہ بھی آپ کی سیرت میں ملتا ہے کہ آپؑ نے اپنی شادی کے لباس کو بھی غریب عورت کو بخش دیا۔
اقبال مشرق و مغرب کے علوم سے آراستہ ہے، وہ جذبات میں بہہ جانے والا شخص نہیں ہے، بلکہ اس کی باتوں میں پیغام پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ جب حضرت زہراؑ کی شان بیان کرتے ہیں تو اسلامی تہذیب میں عورت کے کردار کو حضرت زہراؑ کی شکل میں دیکھنا چاہتے

ہیں۔ خاندان اہلبیتؑ سے اقبال والہانہ عقیدت رکھتے ہیں ان کی یہی عقیدت اشعار کی شکل میں ظاہر بھی ہوتی ہے۔ اقبال حضرت زہراؑ کی شان بیان کرتے ہوئے اس حد کو پہنچتے ہیں کہ کہتے ہیں:

رشتہ آئین حق زنجیر پاست   پاس فرمان جنابِ مصطفی است

ورنہ گرد تربتش گر دیدمی   سجدہ ھا بر خاک او پاشید می

اسلامی قوانین میرے پاوں کی زنجیر ہیں اسی طرح جنابِ رسول خدا ﷺ کے فرمان کا بھی مجھے پاس ہے اگر فرمانِ مصطفٰے ﷺ مانع نہ ہوتا تو میں ساری عمر آپؑ کی قبر کے گرد طواف کرتا اور میں حضرت فاطمہ زہراء علیہا السلام کی تربتِ پاک پر سجدہ ریز ہوتا۔ ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال نے کتنی عقیدت میں ڈوب کر یہ اشعار کہے کہ اگر شریعت کی پابندی نہ ہوتی تو اقبال حضرت زہراؑ کی قبر پر سجدے کرتا رہتا۔

اہل سنت کی کتب میں حضرت زہراؑ کی شہادت کا بیان

سجاد ربانی

پروردگار عالم نے اپنے دین کے استحکام اور نظام کے نفاذ کے لئے جس طرح انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو منتخب کیا اسی طرح صنف نازک کو راہ کمال کی نشاندہی کے لئے کچھ خواتین کا بھی انتخاب کیا۔ اللہ کی انھیں برگزیدہ اور انتخاب کردہ خواتین میں سے ایک ذات حضرت صدیقہ طاہرہ، بتول، عذراء شہزادی کونین، مادر حسنین فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی بھی ہے۔

آپ کمال، صدق اور ایمان کے اعلی ترین درجہ پر فائز تھیں اور عالم اسلام میں جو مرتبہ آپ کو نصیب ہوا وہ کسی دوسری خاتون کو نہیں ہوا آپ کے فضائل کا تعلق صرف کسی ایک مسلک یا مکتب فکر کے ماننے والوں سے نہیں ہے بلکہ عالم اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بی بی کا احترام واکرام کریں چونکہ اس بی بی کا احترام خود سرور کونین نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ ان کے دروازے پر رسول اللہ آکر سلام کرتے تھے اور کوئی ایک یا دو دن نہیں بلکہ مسلسل ۶ مہینہ تک ہر نماز کے بعد یہ عمل سرور کونین ﷺ نے انجام دیا۔

اسی بی بی کے لئے فرمایا: فاطِمَةُ بَضعَةٌ مِنّی فَمَنْ اَغضَبَها اَغضَبَنِی؛[1]۔ فاطمہ میرا پارہ جگر ہے جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ قارئین کرام !خداوند عالم کو ہرگز یہ برداشت نہیں ہے کہ کوئی اس کے رسول کو آزار و اذیت پہونچائے چنانچہ ارشاد فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيا وَ الْآخِرَةِ وَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذاباً مُهِيناً؛[2] بے شک جو خدا اور اس کے رسول کو آزار و اذیت پہونچائے تو خدا دنیا و آخرت میں ان پر لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے اس نے رسوا کنندہ عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

یہی وہ خاتون ہے جس کے احترام میں رسول اللہ اپنی مسند چھوڑ دیا کرتے تھے اور اسے اپنی مسند پر جگہ دیا کرتے تھے چنانچہ جناب عائشہ سے روایت ہے: ما رأيتُ أحدًا كانَ أشبَهَ سمتًا وَهديًا ودلًّا برسولِ اللَّهِ صلَّى اللَّهُ عليهِ وسلَّمَ من فاطمةَ كانت إذا دخلت عليهِ قامَ إليها فأخذَ بيدِها وقبَّلَها وأجلسَها في مجلسِه؛[3] میں نے کسی شخص کو فاطمہ سے زیادہ شکل وشمائل، کردار و گفتار میں رسول اللہ ﷺ سے مشابہ نہیں پایا اور جب بھی فاطمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آتی تھیں رسول بڑھ کر ان کا استقبال کرتے ان کو بوسہ دیتے اور اپنی مسند پر بٹھاتے تھے۔

اب آپ ہی خود فیصلہ کیجئے! جس بی بی کے اتنے سب فضائل و کمالات ہوں جس کا احترام خود اللہ کا حبیب کرتا ہو اس کے لئے امت کا رویہ کیسا ہونا چاہئے بہر حال یہ ایک بحث کا موضوع ہے۔

---

[1] ۔ صحیح بخاری؛ کتاب بدا الخلق (باب مناقب قرابۃ رسول اللہ)؛ حدیث: ۳۵۱۰.

[2] ۔ سورۃ الاحزاب: ۵۷۔

[3] ۔ ابن مفلح، الآداب الشرعیۃ، ج۱، حدیث: ۴۳۷؛ ترمذی، سنن الترمذی حدیث: ۳۸۷۲

البتہ حقیقت میں اس کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا گیا، اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا، ان سب چیزوں کی تفصیل عالم اسلام کی معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ چنانچہ انھیں دھمکیاں دی گئیں، دروازہ جلایا گیا، دروازہ گرایا گیا، جس کے سبب آپ زخمی ہوئیں اور آپ کے بطن مبارک میں محسنؑ کی شہادت واقع ہوگئی۔ اس بی بی کو اتنا رلایا، اتنا ستایا البتہ کسی اور نے نہیں، کسی یہودی یا عیسائی اور مجوسی نے نہیں بلکہ خود آپ ﷺ کی امت نے اور صرف عام امتی نے نہیں بلکہ امت کے ٹھیکداروں نے۔

ہمارے بہت سے اہل سنت برادران یہ کہتے ہیں کہ شیعوں کی طرف سے حضرت فاطمہ ﷺ کی شہادت محض ایک افسانہ ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ یہ سراسر ایک تہمت ہے اور بہتان ہے۔

ہم ان سے یہ کہنا چاہتے ہیں۔ اے کاش یہ افسانہ ہوتا، ہمارا دل بھی یہی چاہتا ہے اے کاش یہ ایک جھوٹ ہوتا اے کاش اس امت کے دامن پر بنت نبی کی شہادت اور ایذا و آزار کا یہ بدنما دھبہ نہ ہوتا۔ اے کاش ہمارے کان اس واقعہ کو نہ سنتے۔ اے کاش ہماری آنکھیں اس طرح کی روایات کو شیعہ و سنی کتابوں میں نہ دیکھتیں۔ ہم تو یہ سوچتے ہیں آخر اصحاب نے اور امت نبی نے اپنے نبی کی بیٹی -اگر نعوذ باللہ قصوروار بھی ہوتیں- ایسا کیا ہوگا؟ اے کاش یہ سب جھوٹ ہوتا اے کاش حضرت فاطمہ زہرا کی شہادت کا واقعہ ایک افسانہ ہوتا۔

لیکن افسوس ہم جب بھی اس امر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس امر کی طرف لوٹ کر آتے ہیں ہمارے یقین میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔ اگر ہم شیعوں کی کتابوں میں موجود سینکڑوں روایات کو چھوڑ بھی دیں تو اہل سنت کی کتابوں میں موجود ان روایات کا کیا کریں؟ ان کی معتبر کتابوں کا کیا کریں؟ ان کے بزرگ علماء کے اعتراف کا کیا کریں؟

بہر حال ہم جو بھی کرلیں حقیقت سے نظریں نہیں چرائی جاسکتیں۔۔۔۔۔ اگر اس ماجرے کی حقیقت کی گہرائی اور گیرائی کو بیان کیا جائے تو کتابوں کے انبار لگ سکتے ہیں اور اگر مختصر طور پر بیان کیا جائے تو ان چند کلمات میں اس کا خلاصہ ہوسکتا ہے کہ: حضرت فاطمہ زہراؑ کے قتل کا حکم بھی صادر ہوا، آپ کو دھمکی بھی دی گئی، آپ کے گھر پر حملہ بھی کیا گیا، گھر کو جلایا گیا اور آپ کو مارا بھی گیا۔۔۔۔۔ آپ کے بچے کو ساقط کردیا گیا اور آخر کار ان کو شہید کردیا گیا۔۔۔۔۔۔۔

کیا عمر ایسا کرسکتے ہیں؟

بعض ہمارے اہل سنت برادران یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ خلیفہ دوم جیسا شخص ہرگز ایسا نہیں کرسکتا تو آئیے سب سے پہلے اسی مسئلہ کو اہل سنت کے ایک مایہ ناز عالم علامہ شبلی کی کتاب الفاروق سے نظر قارئین کرتے ہیں۔ الفاروق نامی کتاب میں علامہ شبلی نعمانی رقمطراز ہیں: "حضرت عمر نے حضرت فاطمہؑ کے دروازے پر کھڑے ہوکر کہا: یابنت رسول اللہ! خدا کی قسم آپ ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ تاہم اگر آپ کے یہاں لوگ اس طرح مجمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگادوں گا"۔

پھر اس کے بعد شبلی صاحب روایت کی سند پر تھوڑا شک کرتے ہوئے ضرور نظر آتے ہیں لیکن اس واقعہ کے حدوث میں درایت کو فوقیت دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: "اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کرسکتے کیونکہ اس روایت کے رواۃ کا حال ہم کو معلوم نہیں ہوسکا تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں چونکہ حضرت عمر کی تند مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید

نہیں حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمر نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کاروائیاں کیں ان میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں ۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ انہی بے اعتدالیوں نے اٹھتے ہوئے فتنوں کو دبادیا"۔[1]

شبلی صاحب نے بہر حال یہ اقرار کیا اور ان کی درایت بھی اس نتیجہ پر پہونچ گئی کہ خلیفہ دوم کی طرف سے اس واقعہ کے رونما ہونے میں کسی طرح کی مشکل بھی نہیں ہے اور عمر ابن خطاب سے امر خلافت کو تسلیم کروانے میں بڑی بے اعتدالیاں ہوئی ہیں۔

البتہ شبلی صاحب نے جن فتنوں کے دبانے کا تذکرہ کیا ہے وہ خود اپنے آپ میں گفتگو اور تحقیق کا موضوع ہے بہر حال ہم یہاں اصل ماجرا کو نقل کرنے پر اکتفاء کر رہے ہیں۔

بنت نبی کے گھر کی بے حرمتی اور آپ کی شہادت

برادران اہل سنت کے بہت سے نامور علماء کے بیان اس امر کے شاہد ہیں کہ بنت نبی کے گھر کی بے حرمتی اور اس کے بعد واقع ہونے والے دیگر واقعات تاریخی مسلمات میں سے ہیں کہ جنھیں کسی طرح افسانہ کہنا موزوں نہیں ہوگا۔ اگرچہ برسر اقتدار آنے والے خلفاء کے دور میں اہل بیت کے فضائل و مناقب اور یہاں تک کہ ان کے مصائب بھی لوگوں سے چھپانے کی ناکام کوشش کی گئی لیکن حق و حقیقت کو تاویلات و تمایلات کے دبیز پردوں میں چھپایا نہیں جاسکتا۔ چنانچہ یہ حقیقت تاریخ و حدیث کی کتابوں میں محفوظ رہ گئی چنانچہ دوسری صدی ہجری کے مشہور محدث ابن ابی شیبہ اپنی مشہور کتاب "المصنَّف" میں صحیح سند کے ساتھ روایت نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: جب لوگ ابوبکر کی بیعت کر چکے تو علیؑ و زبیر فاطمہؑ کے گھر میں بیٹھے ہوئے گفتگو اور مشورہ کر رہے تھے، یہ اطلاع عمر ابن خطاب کو پہونچی۔ وہ فاطمہؑ کے گھر آئے اور کہا: اے بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لئے سب سے محبوب ترین شخصیت آپ کے بابا ہیں اور ان کے بعد آپ خود، لیکن اگر یہ لوگ آپ کے گھر میں اسی طرح اکھٹا ہوئے تو خدا کی قسم یہ محبت میرے درمیان حائل نہیں ہوسکتی ہیں اس گھر کو جلانے کا حکم دے دوں گا۔ اور وہ یہ کہہ کر باہر چلے گئے جس وقت زبیر و علیؑ واپس آئے تو بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ اور زبیر سے کہا: عمر میرے پاس آئے تھے اور قسم کھا کر یہ دھمکی دی ہے کہ اگر دوبارہ یہاں علیؑ و زبیر ایک ساتھ اکھٹا ہوئے تو میں گھر کو اس کے اہل سمیت جلادوں گا۔ خدا کی قسم جو اس نے قسم کھائی ہے وہ اسے پورا کر دے گا۔[2]

اسی واقعہ کو تیسری صدی ہجری کے مشہور مورخ احمد بن یحیی جابر بغدادی بلاذری اپنی کتاب "انساب الاشراف" میں اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ابوبکر نے کچھ لوگوں کو علیؑ سے بیعت لینے کے لئے بھیجا لیکن علی نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا اس کے بعد عمر ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل لے کر فاطمہؑ کے گھر کے سامنے پہونچ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر فاطمہؑ نے کہا: اے خطاب کے بیٹے کیا میرا گھر جلانے کے لئے آئے ہو؟ عمر نے کہا: ہاں۔ اس کے ذریعہ اس امر کی تقویت ہوگی جس کے لئے تمہارے بابا مبعوث ہوئے۔[3]

---

[1] نعمانی، شبلی، الفاروق، ص ۷۶، دار الاشاعت اردو بازار کراچی، ۱۹۹۱۔

[2] ۔ ابن ابی شیبہ، ابوبکر، المصنف، ج ۸، ص ۵۷۲۔

[3] ۔ بلاذری، احمد بن یحیی جابر بغدادی، انساب الاشراف، ج ۱، ص ۵۸۶۔

تیسری صدی ہجری کے ہی ایک اور مورخ عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری اپنی شہرہ آفاق کتاب "الإمامۃ والسیاسۃ" میں نقل کرتے ہیں کہ بیعت نہ کرنے والوں کا پیچھا کرنے کے لئے ابو بکر نے عمر کو کچھ لوگوں کے ہمراہ علیؑ کے گھر بھیجا اور جب ان لوگوں نے گھر سے باہر نکلنے سے انکار کیا تو عمر نے آگ اور لکڑیاں منگوائی اور کہا: خدا کی قسم عمر کی جان جس کے قبضہ میں ہے گھر سے باہر آجاؤ ورنہ گھر کو آگ لگادوں گا، انھیں کے ساتھ آنے والوں میں سے ایک شخص نے کہا: اے ابو حفص! یہ بنت نبی فاطمہ کا گھر ہے کہا: چاہے جس کا ہو۔[1]

بعض برادران اہل سنت درایت کو نظر انداز کر کے صرف ان روایات کو پڑھ کر یہ تصور اپنے دل و دماغ میں بٹھا لیتے ہیں کہ بنت نبی ﷺ کے گھر پر عمر گئے اور آگ و لکڑیاں بھی منگوائیں لیکن یہ صرف ایک دھمکی تھی، عمر نے آگ نہیں لگائی اور بی بی کی شہادت محض اپنے بابا کے فراق میں ہوئی، امر شہادت سے عمر کا کچھ لینا دینا نہیں تھا، آئیے ہم ان کے اس گتھی کو بھی کھولتے ہیں۔ تاکہ شک سے منزل یقین تک رسائی کا یہ مرحلہ دشوار نہ رہے۔

اہل سنت کے ایک اور مشہور عالم جنھیں تیسری صدی ہجری میں آسمان علم و ادب کا چمکتا ہوا استارہ کہا جاتا تھا جن کا نام ابراہیم بن سیار نظام معتزلی ہے وہ اپنی کتاب "الوافی بالوفیات" میں تحریر کرتے ہیں:

عمر نے ابو بکر کی بیعت کروانے کی وجہ سے فاطمہ زہراؑ کے شکم پر ایک ضرب لگائی جس سے ان کا بچہ ساقط ہو گیا کہ جس کا نام قبل از ولادت ہی محسن رکھا گیا تھا۔[2] اور اس روایت پر اس سنی عالم دین کو اس قدر وثوق تھا کہ جب الملل والنحل کے مصنف شہرستانی نے ان کے حالات تحریر کئے تو ان سے منسوب اس جملہ "انّ عمر ضرب بطن فاطمۃ یوم البیعۃ حتی ألقت المحسن من بطنها" کو بھی نذر قرطاس کرنا نہیں بھولے۔[3]

چوتھی صدی ہجری کے عالم و محدث ابن ابی دارم اپنی کتاب "میزان الاعتدال" لکھتے ہیں: عمر نے ایک لات فاطمہؑ کے ماری جس کے سبب ان کے شکم سے ان کے بچے محسن کا سقط ہو گیا۔[4]

تیسری صدی ہجری کے مشہور سنی عالم ابو عبید قاسم بن سلام اپنی کتاب "الاموال" میں عبد الرحمن بن عوف سے نقل کرتے ہیں کہ: میں خلیفہ اول کے آخری ایام میں ان کی عیادت کے لئے گیا ہماری درمیان بہت سی باتیں ہوئیں انھوں نے آخر میں مجھ سے کہا: عبد الرحمن میں نے اپنی زندگی میں تین کام ایسے کئے جن کے کرنے پر مجھے افسوس ہے اے کاش میں انھیں انجام نہ دیتا۔ اے کاش میں فاطمہؑ کے گھر کی بے حرمتی نہ کرتا اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا چاہے وہ دروازہ ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے لئے ہی بند کیا گیا ہوتا (یعنی دروازے کے پیچھے ہم سے جنگ کا منصوبہ بنایا جا رہا ہوتا)۔[5] اسی طرح کی عبارت دیگر کتابوں میں بھی موجود ہے۔[6]

---

[1] ۔ ابن قتیبہ دینوری، عبد اللہ بن مسلم، الإمامۃ والسیاسۃ، ص ۱۳۔

[2] ۔ نظام معتزلی، ابراہیم بن سیار، الوافی بالوفیات، ج ۶، ص ۱۷، حدیث ۲۴۴۴۔

[3] ۔ شہرستانی، محمد بن عبد الکریم، ملل و نحل، ج ۳، ص ۲۴۸-۲۵۵۔

[4] ۔ ابن ابی دارم، میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۴۵۹۔

[5] ۔ ابو عبید، قاسم بن سلام، الاموال، ص ۱۴۴۔

[6] ۔ طبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد، میزان الاعتدال: ج ۲، ص ۱۹۵؛ بنیز معجم کبیر، ج ۱، ص ۶۲، حدیث: ۳۴؛ ابن عبد ربہ، عقید الفرید، ج ۴، ص ۹۳۔

ان اہل سنت اکابر کی یہ تصریحات و تعبیرات ببانگ دہل اعلان کر رہی ہیں کہ ماجرا صرف عمر کی دھمکی پر ہی نہیں رکا بلکہ ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہنایا گیا اور بنت نبی کی شہادت واقع ہوئی۔

کیا ان واضح و بین دلائل کی روشنی میں کہ جنہیں ہم نے خود علمائے اہل سنت کی معتبر کتابوں سے نقل کیا ہے، کیا اب بھی یہ گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ بی بی دو عالم حضرت فاطمہ زہرأ پر امت کے سربر آوردہ لوگوں کی طرف سے ڈھائے گئے مظالم محض افسانہ تھے؟

یقیناً اس مستند و مدلل بیان کی روشنی میں جو شخص بھی تاریخ کا مطالعہ کرے گا اسے یہ احساس ضرور ہوگا کہ رحلت رسول اللہؐ کے بعد کیا ہنگامہ برپا ہوا اور حکومت و اقتدار کے حصول کی خاطر کتنی اقدار زیر پا روند دی گئی۔ یہ مقالہ کسی مذہبی تعصب میں نہیں بلکہ ہر آزاد فکر اور آزاد منش انسان کے لئے ہماری طرف سے دعوت اور اتمام حجت ہے، ہر شخص کے لئے باب تحقیق کھلا ہوا ہے وہ جا کر تاریخ کے وہ مفقود حلقات کو آپس میں جوڑے اور ہر واقعہ کے پس منظر کو تلاش کر کے اس کے آئینہ میں حقیقت کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کرے۔

رسول خداؐ کی امانت واپس ہو گئی!

سید علی ہاشم عابدی

حسب موقع آیتیں اور سورے لانے والے سید الملائکہ جبرئیل امینؑ پیغمبرؐ کی خدمت میں براق نامی آسمانی سواری لے کر حاضر ہوئے اور بعد درود و سلام عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم معراج دیا ہے۔ حبیب کبریاءؐ اپنے محبوب کا پیغام سنتے ہی روانہ ہوئے۔ سردار ملائکہ جبرئیلؑ آپؐ کے ہمراہ تھے آخر ایک منزل وہ بھی آئی کہ جہاں سید الملائکہؑ نے آگے بڑھنے میں اظہار عاجزی فرمایا لیکن سید الخلق سید الانبیاء والمرسلین کا سفر جاری رہا اور وہاں پہنچے جہاں حبیب و محبوب میں صرف ایک حجاب و کمان کا فاصلہ ہی باقی رہا۔ محبوب اپنے حبیب کی قربت پر خوش تو حبیب اپنے محبوب کے قریب ہونے پر نازاں نظر آیا۔ حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا تو حکمتوں کے خالق حکیم پروردگار کا یہ عمل کیسے حکمت سے خالی ہوتا لہذا اس نے بصورت سیب تحفہ معراج عطا کر کے مقصد معراج کی تکمیل کی۔ یہ عظیم تحفہ تھا کہ جس کی عطا میں اس نے امین وحی جبرئیل کے واسطہ کو بھی مناسب نہ جانا۔ ہاں اس کے اعلان میں ضرور جبرئیلؑ کو شامل کیا۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ" عظیم اور دائمی رحمتوں والے خدا کے نام سے۔ بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے۔ لہذا آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیں اور قربانی دیں۔ یقیناً آپ کا دشمن بے اولاد رہے گا۔

اس سورہ کی شان نزول کے سلسلہ میں علماء کا اتفاق ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے فرزند جناب عبد اللہ کو دفن کر کے واپس آ رہے تھے تو آپ کے جانی دشمن عاص بن وائل ملعون نے آپؐ کو ابتر اور بے اولاد ہونے کا طعنہ دیا تو اللہ نے یہ سورہ نازل کر کے آپؐ کو کوثر عطا کرنے اور آپ کے دشمنوں کو ابتر ہونے کی بشارت دی۔

لفظ "کوثر" کے سلسلہ میں اکثر شیعہ مفسرین کا نظریہ ہے کہ اس سے مراد صدیقہ طاہرہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔ لیکن دیگر مذاہب و فرق کے مفسرین نے کوثر سے حوض کوثر، بہشت، بہشت میں ایک نہر، شفاعت، خیر کثیر، نبوت، قرآن، اصحاب اور پیروکاروں کی کثرت، حضرت زہراؑ کے ذریعے پیغمبر اکرمؐ کی کثیر تعداد میں نسل مراد لی ہے۔ لیکن اگر ہم آخری آیت میں لفظ ابتر پر غور کریں تو واضح ہو جائے گا کہ کوثر کا مصداق اتم و اکمل سوائے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے اور کوئی نہیں۔

معراج پر اللہ نے جو تحفہ اپنے حبیب کو دیا تھا ۲۰ رجمادی الثانی سن ۵ بعثت کو وہ ظاہر ہوا یعنی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت با سعادت ہوئی یا یہ کہا جائے کہ باغ رسالت و نبوت میں وہ شجر لگا جسے قرآن نے شجرہ طیبہ کہا جس کی جڑیں ثابت اور شاخیں آسمان میں ہیں۔ کبھی کفر و شرک و الحاد کی ہواؤں نے اسے مٹانا چاہا، کبھی نفاق نے جلا کر ختم کرنا چاہا، کبھی سقیفائی، اموی، عباسی، عثمانی، مغلیہ طوفانوں نے گھیرا لیکن اسے ختم کرنے والے خود ختم ہو گئے، مٹانے والے خود مٹ گئے، حبیب کبریاء کو ابتر کہنے والے خود ابتر ہو گئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نسل آج بھی باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گی۔

اگر ہم اسلام و انسانیت کے دشمنوں پر غور کریں تو وہ دو قسم کے دشمن نظر آئیں گے ایک وہ کفار و مشرکین تھے جو کھلم و کھلا اسلام و رسولؐ اسلام کے دشمن تھے انہوں نے کھل کر دشمنی کی اگرچہ ہمیشہ ناکامی و نامرادی ان کا مقدر بنی دوسرے منافقین تھے جنہوں نے لالچ یا خوف میں اسلام قبول کیا اور ظاہراً مسلمان ہو گئے۔ اس گروہ نے بھی دشمنی کا کوئی موقع نہیں گنوایا لیکن ان کا انداز دشمنی کھلا ہوا نہیں بلکہ پوشیدہ رہا، یہ دشمنان اسلام منافقین کہلائے، اگرچہ اسلام ختم کرنے میں انکو بھی کامیابی نہیں ملی۔ لیکن جس طرح اپنے سبز رنگ کے سبب طوطا دوسرے پرندوں کے مقابلے باغ کو زیادہ نقصان پہنچاتا ہے اسی طرح ان منافقین نے بھی اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔

دین اسلام کے سلسلہ میں منافقین کی سب سے بڑی خیانت اور جرم یہ ہے کہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد امت اسلامیہ کے سلسلہ ہدایت میں خلل ایجاد کرتے ہوئے اللہ و رسولؐ کے منتخب معصوم ائمہ ہدیٰ اور خلفائے الٰہی کے مقابلے میں اپنے من پسند حکمران معین کئے بلکہ خود ہی قہر و غلبہ کے ذریعہ حاکم بن بیٹھے۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی کئی مرتبہ پیغمبرؐ کو قتل کر کے حکومت حاصل کرنے کی سازشیں رچ چکے تھے۔ عقبہ میں منافقین نے حبیبؐ خدا کو قتل کرنے کی سازش کی تو اللہ نے بجلی چمکا کر ان کے چہرے ظاہر کر دیئے اور حضورؐ نے اپنے جلیل القدر صحابی جناب حذیفہؓ کو منافقین کے نام بھی بتا دیئے۔ اسی طرح جب حضورؐ آخری حج کے لئے نکلے تو اپنے وصال کے قریب ہونے کا اعلان کیا اور یہ اعلان ایک بار نہیں بلکہ متعدد مقامات پر دنیا سے کوچ کرنے کی لوگوں کو اطلاع دی تو منافقین نے مکہ مکرمہ میں صحیفہ ملعونہ اول لکھ کر خانہ کعبہ کے قریب دفن کیا جسمیں لکھا تھا کہ آپؐ کے بعد ہدایت و حکومت آپ کے خاندان میں نہ رہے۔ اعلان غدیر اور امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت کرنے کے بعد جب منافقین مدینہ واپس آئے تو دوبارہ ایک گھر میں جمع ہوئے جہاں دوسرا صحیفہ ملعونہ لکھا گیا۔ جس کے بعد حضورؐ کے حکم کے باوجود لشکر اسامہ میں اکثر لوگ شامل نہیں ہوئے۔ نماز جماعت میں امامت کی کوشش کی اور جب حضورؐ نے امت کی ہدایت اور گمراہی سے بچانے کے لئے تحریر لکھنی چاہی تو کاغذ و قلم دینے سے انکار کر دیا وہ بھی شان رسالت میں انتہائی توہین کے ساتھ کہ جس سے انکار رسالت عیاں تھا۔ المختصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انتہائی مظلومیت کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد ماجد (امام جعفر صادق علیہ السلام) سے پوچھا کہ جب ملائکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس سے رخصت ہوئے تو کیا ہوا؟ میرے والد (امام جعفر صادق علیہ السلام) نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے امیر المومنین علیہ السلام، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کو اپنے پاس بلایا اور جناب ام سلمیٰ کو حکم دیا کہ دروازہ پر کھڑی رہیں اور کسی کو اندر نہ آنے دیں۔ حضورؐ نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا ایک ہاتھ پکڑ کر اپنے سینہ مبارک پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے امیر المومنین علیہ السلام کے ایک ہاتھ کو پکڑ کر اپنے سینہ پر رکھا، سب نے گریہ کیا، اس کے بعد حضورؐ نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا ہاتھ جناب امیر المومنین علیہ السلام کو پکڑا کر فرمایا: اے ابوالحسنؑ! یہ (فاطمہؑ) تمہارے پاس اللہ اور اس کے رسول محمدؐ کی امانت ہیں۔ فاطمہ کے سلسلہ میں اللہ کے حق اور میرے حکم کی رعایت کرنا اور تم ایسا ہی کرو گے۔ اے علیؑ! یہ فاطمہؑ گذشتہ اور آئندہ خواتین میں جنت کی عورتوں کی

سرداریں، خدا کی قسم! یہ مریم کبریٰ ہیں، خدا کی قسم! میں نے فاطمہؑ اور تمہارے لئے جو کچھ اللہ سے مانگا اس نے عطا کیا، اے علیؑ! فاطمہؑ کے سلسلہ میں، میں نے جو حکم دیا ہے اسے انجام دو۔ میں نے فاطمہؑ کو ان احکام کا حکم دیا ہے جو جبرئیل نے مجھ تک پہنچایا ہے۔

حضورؐ نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو اللہ و رسولؐ کی امانت بتایا اور امیر المومنینؑ کو اس عظیم امانت الٰہی کی رعایت کا حکم دیا کہ جب جانشین پیغمبرؐ پر انکی حفاظت واجب ہے تو دوسروں پر بدرجہ اولیٰ ان کی حفاظت، احترام اور اطاعت واجب و لازم ہے۔ لیکن افسوس بعد رسولؐ نام نہاد امتیوں نے اللہ و رسولؐ کی اس امانت کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کیا اور ایسے ظلم ڈھائے کہ بی بیؑ کو مرثیہ پڑھنا پڑا ''صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ أَنَّهَا۔ صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا''۔ (اے بابا! آپؐ کے بعد) مجھ پر وہ مصائب پڑے اگر وہ مصائب دنوں پر پڑتے تو تاریک شب میں بدل جاتے۔

جو بیت، بیوت انبیاءؑ سے افضل تھا اس پر حملہ کیا گیا، آیت تطہیر کے نزول کے بعد جس دروازے پر رسول اللہ ﷺ چھ ماہ تک مسلسل آکر سلام کرتے تھے۔ جہاں بغیر اجازت فرشتہ بھی داخل نہیں ہو سکتا تھا وہاں ظالم آگ اور لکڑی لے کر آگئے اور امانت الٰہی در و دیوار کے درمیان پیس دی گئی اور بطن مادر میں نواسہ رسولؐ حضرت محسنؑ کو شہید کر کے ایک تہائی سادات اور نسل رسولؐ کو ختم کر دیا گیا۔

طمانچے سے ناموس الٰہی کا چہرہ اور کان زخمی کر دیا گیا، پہلو تو پہلے ہی در و دیوار کے درمیان ہی شکستہ ہو گیا تھا اور اسی غم و اندوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اکلوتی یادگار بیٹی وقت مغرب اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ حسب وصیت امیر کائناتؑ نے شب کی تاریکی میں غسل و کفن کیا اور قبر کے حوالے کیا۔ دفن کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مخاطب کر کے مرثیہ پڑھا۔ ''یا رسول اللہ! آپ پر سلام ہو میری جانب سے اور آپ کی بیٹی کی جانب سے جو ابھی آپؐ کے جوار میں آئی ہیں اور عنقریب آپؐ سے ملحق ہو جائیں گی۔ یا رسول اللہ! آپؐ کی پاک و منتخب بیٹی کے فراق میں میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ میری طاقت نے جواب دے دیا ہے۔ آپؐ کے فراق کی عظیم مصیبت کے بعد یہ مصیبت میرے لئے سخت ہے۔

آخر میں نوحہ و مرثیہ کرتے ہوئے فرمایا ''فَلَقَدِ اُسْتُرْجِعَتِ اَلْوَدِيعَةُ''۔ (یا رسول اللہ) امانت واپس ہو گئی۔ اب میرا غم جاویدانی ہے اور میری راتیں بیداری میں بسر ہوں گی۔ یہاں تک کہ آپ سے ملاقات کر لوں۔

یعنی یا رسول اللہ! جو امانت صحیح و سالم میرے حوالے کی تھی وہ واپس ہو گئی لیکن زخموں سے چور ہے، پہلو شکستہ ہے۔

مدح سید الساجدین علیہ السلام

مرحوم علامہ ذیشان حیدر جوادی

زمانہ یہ تو ممکن ہے مرے بازو قلم کر دے — یہ ناممکن ہے میری قوت پرواز کم کر دے

خدا کیوں کر نہ اس کو صاحب جاہ و حشم کر دے — جو پائے سید سجاد پر سر اپنا خم کر دے

مرے آقا مرے زین العبا اتنا کرم کر دے — جو ملت ہو گئی ہے منتشر اُس کو بہم کر دے

بتانِ عصر سے آزاد ما لک کا حرم کر دے — ترے جد کی یہ اُمت ہے اے خیر الامم کر دے

تعجب کیا اگر زر خیز و طوفاں خیز ہو جائے — وہ مٹی جس کو اشک سید سجاد نم کر دے

نگاہ اہل دانش میں وہی ہے فاتح اعظم — بندھے ہاتھوں سے جو اونچا بادت کا علم کر دے

حیات تازہ حاصل ہو نشاط روح پیدا ہو — صحیفہ اُس کا گر پڑھ کر کوئی مردہ پہ دم کر دے

مجاہد وہ، جو ابِ تیغ حیدر جس کے تیور ہوں — نظر کے زور سے مسمار ایوان ستم کر دے

مؤرخ وہ، جو ارضِ شام کے اک ایک گوشہ پر — بفیضِ اشک غم تاریخ آزادی رقم کر دے

مفکر وہ، جو افکار بشر کو ارتقا دے کر — جبینِ نوع انسانی کو حق کے آگے خم کر دے

مسافر وہ، جو پابستہ دیار شام تک جا کر — فناز نجیر کے حلقوں سے سارے پیچ و خم کر دے

مدبر وہ، جو اپنے ایک حیکمانہ تبسم سے — ستم کے خوگروں کو مائل رحم و کرم کر دے

دل انساں پہ گر اس کی نگاہ لطف ہو جائے — فنا ہر کعبہ انسانیت کا ہر صنم کر دے

قصیدہ اس کا جو لکھے کلیم عصر ہو جائے — وہ مولا ہے جسے بھی چاہے جتنا محترم کر دے

حضرت ام البنینؑ انقلابی نسل کی تربیت میں آئیڈیل

سید پیغمبر عباس بشر نوگانوی

تربیت اولاد میں جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ اصول دین پر راسخ عقیدہ ہے، اسی اعتقاد کی وجہ سے معاشرے کو با اخلاق اور انقلابی انسان نصیب ہوتے ہیں۔

معاشرے میں انقلابی ہونا بہت بڑا شرف ہے جو انسان کے اندر خدا شناسی، خدا پرستی، توحید خدا، شجاعت، اطاعتِ ولی امر، ایثار و فداکاری جیسی صفات کا پتہ دیتا ہے۔

انسانی فطرت کا تقاضہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی شخصیت کو اپنا آئیڈیل بناتی ہے، نیک لوگ، اچھے آئیڈیل تلاش کرتے ہیں اور جو پست کردار ہوتے ہیں انہیں پست آئیڈیل ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

چونکہ ہمارا رابطہ خدا سے ہے لہذا ہمیں ایسے آئیڈیل تلاش کرنے چاہئے جو خدا سے بہت قریب ہوں اور وہ اہل بیتؑ کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا، اہل بیتؑ ہی وہ بہترین کردار ہیں جن کی پیروی نجات کی ضمانت ہے۔

جب ہم تاریخ میں نگاہ ڈالتے ہیں تو حضرت فاطمہ زہراؑ کے علاوہ اہل بیتؑ کے گھر میں ایک غیر معصوم خاتون جناب فاطمہ کلابیہ یعنی ام البنین بھی بہترین آئیڈیل نظر آتی ہیں جنھوں نے ایک انقلابی نسل تیار کی۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تربیتِ اولاد کے سلسلے میں ماں کا کردار بہت اہم ہوتا ہے، اگر ماں خود راسخ العقیدہ مسلمان ہے تو اس کے بچے دین سے بے بہرہ نہیں ہوسکتے، لہٰذا ہمیشہ اچھی بیوی کی شکل میں اپنے بچوں کی اچھی ماں تلاش کرنی چاہئے۔

امام علی علیہ السلام یوں تو پورے عرب سے واقف تھے لیکن ہمیں درس دینے کے لئے اپنے بڑے بھائی جناب عقیل سے مشورہ فرمایا کہ:

"میرے لئے ایسی خاتون کا انتخاب کیجئے جس سے بہادر بچے پیدا ہوں"[1]

صدر اسلام سے ہی با فضیلت خواتین نے اپنے بچوں کی تربیت کا خاص اہتمام کیا ہے، جن میں جناب ام البنین بھی سر فہرست ہیں جنھوں نے حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام جیسے بیٹے کی منشاء عصمت کے مطابق تربیت کی۔

مومنہ ماں کے لئے اپنے بچوں کی تربیت میں خدا پرستی اور توحید کا درس سب سے اہم ہے اور جناب ام البنینؑ نے اپنے بیٹوں کی تربیت میں اس کا خاص خیال رکھا، اپنے بچوں کو خدا شناسی اور خدا پرستی اس طرح ذہن نشین کرائی کہ جس سے آپ کے بچے بہترین موحد بن گئے۔

جب امام علی علیہ السلام بچپن میں حضرت عباسؑ کو گنتی سکھاتے ہوئے واحد کہلواتے ہیں تو حضرت عباسؑ آسانی سے کہہ دیتے ہیں لیکن جب اثنین یعنی دو کہلواتے ہیں تو جناب عباسؑ فرماتے ہیں کہ باباجان جس زبان سے ایک کہہ دیا اُس سے دو کس طرح کہوں۔

---

[1] مجموعہ آثار استاد شہید مطہری ج ۱۷ ۹۸

حضرت عباسؑ کی خدا شناسی کی جانب یہ بہترین اشارہ ہے۔

انقلابی ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ انسان ولی امر کا مطیع و فرمانبردار ہو۔

جناب ام البنینؑ نے اپنے بچوں کو ولی امر کا مطیع و فرمانبردار بنانے میں ہر ممکن کوشش کی اور اس تربیت کا آغاز اس طرح فرمایا کہ سب سے پہلے اپنے آپ کو امام علیؑ اور حسنین علیہما السلام کی خادمہ ظاہر کیا اور ہمیشہ اس پر قائم بھی رہیں۔

تربیت کا یہ اصول ہے کہ زبان سے وعظ و نصیحت سے زیادہ مربی کا عمل کارگر ہوتا ہے اور جناب ام البنینؑ کے بیٹوں نے عملی طور پر جناب ام البنینؑ کو پاسدارِ ولایت اور ولی امر کی خادمہ کے طور پر دیکھا، لہٰذا یہ صفت حضرت عباسؑ اور آپ کے بھائیوں میں والدہ سے منتقل ہو گئی اور پھر تاریخ نے اطاعتِ امامؑ کی وہ مثالیں دیکھیں جو دنیا میں نہیں ملیں گی۔

جب شب عاشور زہیر قین نے یاد دلایا اور کہا عباس! آپ کو یاد ہے کہ آپ کے پدر بزرگوار نے آپ کو کس دن کے لئے مہیا کیا ہے؟ تو حضرت عباسؑ نے اس طرح انگڑائی لی کہ رکابیں ٹوٹ گئیں اور فرمایا: اے زہیر آج کے دن شجاعت دلا رہے ہو، عاشور کی رات تمام ہونے دو اور صبح کا وقت آنے دو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ بیٹے نے باپ کے مقصد کو کس انداز سے پورا کیا ہے اور عباس اپنے عہد وفا پر کس طرح قائم ہے۔

دشمن کو میدان میں تلوار کا پانی پلانا واقعاً شجاعت ہے لیکن جب جذبات تلوار چلانے پر پوری طرح آمادہ ہوں تو اس وقت اطاعت مولا کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے تلوار نہ چلانا اس سے بھی بڑی شجاعت ہے، جناب عباس نے صرف صفین کی جنگ میں تلوار چلائی باقی موقعوں پر آپ نے اطاعت مولا کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنی تلوار نیام ہی میں رکھی، امام حسنؑ کے جنازے کی بے حرمتی، والد بزرگوار کی شان میں منبر سے گستاخی، مخلصین کا بے دردی سے قتل، کربلا میں فرات سے خیمے ہٹائے جانے کا مطالبہ یہ تمام وہ مواقع تھے جہاں حضرت عباس کے جذبات تلوار چلانے کے متقاضی تھے لیکن آپ نے ان موقعوں پر بھی اطاعت مولا کے سامنے سر تسلیم خم کر کے شجاعت کی مثال قائم کر دی۔

اسی طرح ایک انقلابی شخص میں ایثار و فداکاری کا جذبہ بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔

جناب ام البنین نے اپنے بچوں کی تربیت اسی نہج پر کی اور ایثار و فداکاری کے جذبے سے اپنے بچوں کو سرشار کر دیا۔

کربلا میں جناب ام البنین کے شیر کی تاثیر قیامت تک اسلامی ماؤں کے لئے سبق آموز رہے گی، کہ ایک طرف کئی روز کی بھوک اور پیاس اور دوسری جانب خیام حسینی میں بچوں کی العطش کی صدائیں، جناب عباسؑ بے چین ہو جاتے ہیں اور پانی کے لئے کنوئیں کھودنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

کنوؤں میں پانی نہیں نکلا تو آپ نے نہر فرات سے پانی لانے کے لئے اپنی جان بچوں کی پیاس اور مقصدِ حسینی پر نچھاور کر دی، اس سے بڑی تاریخ میں فداکاری کی مثال نہیں ملتی۔

جناب ام البنین کی تربیت قیامت تک ماؤں کے لئے مشعلِ راہ رہے گی، کیونکہ آپ کی تربیت نے بھائی کے رشتے کو وہ معراج عطا کی جو کوئی اور نہ کر سکا اور جناب عباسؑ کا اپنے بھائی سے بہترین سلوک رہتی دنیا تک تمام بھائیوں کے لئے مثال رہے گا۔

ایک انقلابی انسان کی بہترین صفت وفاداری ہوتی ہے، چاہے یہ وفاداری اپنے رہبر سے ہو یا مقصد سے مگر کسی بھی صورت میں ایک انقلابی شخص بے وفائی نہیں کر سکتا، کربلا میں جناب عباسؑ نے وفاداری کی بہترین مثال قائم کی، رہبر سے بھی وفاداری، رشتوں سے وفاداری، امام وقت سے وفاداری اور اپنے مقصد سے وفاداری، یزیدیوں نے امان نامہ بھی لکھا لیکن جناب عباسؑ اپنے عہد و پیمان پر قائم رہے اور یزیدیوں کی کسی بھی رعایت کو قبول نہ کیا۔

ایسی تربیت کے نتیجے میں انجام دیئے ہوئے جناب عباسؑ کے عمل اللہ تعالیٰ کو اتنے پسند آئے کہ "عبد صالح" کی بہترین سند عطا فرمائی قرآن مجید میں اللہ نے حضرت داوؑد، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت عیسیٰؑ اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰؐ کو عبد صالح کا خطاب دیا ہے، غیر انبیاء اور ائمہ میں صرف حضرت عباسؑ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کو عبد صالح کا خطاب دیا گیا جس کی سند چھٹے امام جعفر صادقؑ نے زیارت حضرت عباسؑ میں دی ہے، اس کی روایت ابو حمزہ ثمالی نے کی ہے، حضرت عباسؑ کے لئے امام جعفر صادق فرماتے ہیں: السلام علیك ایها العبد الصالح یعنی اے عبد صالح آپ پر خدا کی طرف سے سلامتی ہو۔

ہم روزانہ نماز کے اختتام پر اللہ کے نیک بندوں (عباد الصالحین) پر سلام پڑھتے ہوئے تشہد کے بعد کہتے ہیں السلام علینا و علی عباد الله الصالحین یعنی ہمارے اوپر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو، اس سلام میں انبیاء اور ائمہ کے ساتھ ساتھ حضرت عباس بھی شریک ہیں کیونکہ آپ عبد صالح ہیں۔

شیعیوں کی صفات

محمد تقی رضا

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب صفات الشیعہ حدیث نمبر ۳۵ میں حضرت علی ابن ابی طالب کے خطبہ کو جو خطبہ ہمام کے نام سے معروف ہے نقل فرمایا ہے جس کو سید رضی علیہ الرحمہ نے بھی نہج البلاغہ میں بھی درج کیا ہے یہ خطبہ اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے پیروں کاروں کے لئے طرز زندگی کا ایک مکمل درس ہے لہذا اہم یہاں پر مفتی جعفر حسین صاحب کے اردو ترجمہ کو آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں امید ہے قارئین پڑھ کر اس کو عملی جامہ پہنائیں گے

"بیان کیا گیا ہے کہ امیر المومنین (علیہ السلام) کے ایک اصحابی نے کہ جنہیں ہمام کہا جاتا ہے اور جو بہت عبادت گذار شخص تھے حضرت سے عرض کیا کہ یا امیر المومنین مجھ سے پرہیز گاروں کی حالت اس طرح بیان فرمائیں کہ ان کی تصویر میری نظروں میں پھرنے لگے۔ حضرت نے جواب دینے میں کچھ تامل کیا۔ پھر اتنا فرمایا کہ اے ہمام اللہ سے ڈرو اور اچھے عمل کرو، کیونکہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی و نیک کردار ہوں۔ ہمام نے آپ کے اس جواب پر اکتفانہ کیا اور آپ کو (مزید بیان فرمانے کے لیے) قسم دی جس پر حضرت نے خدا کی حمد و ثنا کی اور نبی پر درود بھیجا اور یہ فرمایا۔

اللہ سبحانہ، نے جب مخلوقات کو پیدا کیا تو ان کی اطاعت سے بے نیاز اور ان کے گناہوں سے بے خطر ہو کر کار گاہ ہستی میں انہیں جگہ دی کیونکہ اسے نہ کسی معصیت کار کی معصیت سے نقصان ہے اور نہ کسی فرمانبر دار کی اطاعت سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اس نے زندگی کا سرو سامان ان میں بانٹ دیا ہے اور دنیا میں ہر ایک کو اس کے مناسب حال محل و مقام پہ رکھا ہے۔

چنانچہ فضیلت ان کے لیے ہے جو پرہیز گار ہیں کیونکہ ان کی گفتگو جچی تلی ہوئی، پہناوا میانہ روی اور چال ڈھال عجز و فروتنی ہے۔ اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور فائدہ مند علم پر کان دھر لیے ہیں ان کے نفس زحمت و تکلیف میں بھی ویسے ہی رہتے ہیں جیسے آرام و آسائش میں۔۔

اگر (زندگی مقررہ) مدت نہ ہوتی جو اللہ نے ان کے لیے لکھ دی ہے تو ثواب کے شوق اور عتاب کے خوف سے ان کی روحیں ان کے جسموں میں چشم زدن کے لیے بھی نہ ٹھہرتیں۔ خالق کی عظمت ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے۔ اس لیے کہ اس کے ماسوا ہر چیز ان کی نظروں میں ذلیل و خوار ہے۔ ان کو جنت کا ایسا ہی یقین ہے جیسے آنکھوں دیکھی چیز کا ہوتا ہے تو گویا وہ اسی وقت جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہیں اور دوزخ کا بھی ایسا ہی یقین ہے جیسے کہ وہ دیکھ رہے ہیں تو انہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہاں کا عذاب ان کے گرد و پیش موجود ہے

رات ہوتی ہے تو اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر قرآن کی آیتوں کی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرتے ہیں، جس سے اپنے دلوں میں غم و اندوہ تازہ کرتے ہیں اور اپنے مرض کا چارہ ڈھونڈتے ہیں۔ جب کسی ایسی آیت پر ان کی نگاہ پڑتی ہے جس میں جنت کی ترغیب دلائی گئی ہو، تو اس

کے طمع میں ادھر جھک پڑتے ہیں اور اس کے اشتیاق میں ان کے دل بے تابانہ کھنچتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ (پر کیف) منظر ان کی نظروں کے سامنے ہے۔

اور جب کسی ایسی آیت پر ان کی نظر پڑتی ہے کہ جس میں (دوزخ سے) ڈرایا گیا ہو، تو اس کی جانب دل کے کانوں کو جھکا دیتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ جہنم کے شعلوں کی آواز اور وہاں کی چیخ و پکار ان کے کانوں کے اندر پہنچ رہی ہے، وہ (رکوع میں) اپنی کمریں جھکائے اور (سجدہ میں) اپنی پیشانیاں ہتھیلیاں گھٹنے اور پیروں کے کنارے (انگوٹھے) زمین پر بچھائے ہوئے ہیں اور اللہ سے گلوخلاصی کے لیے التجائیں کرتے ہیں۔

دن ہوتا ہے تو وہ دانشمند عالم، نیکو کار اور پرہیز گار نظر آتے ہیں۔ خوف نے انہیں تیروں کی طرح لاغر کر چھوڑا ہے۔ دیکھنے والا انہیں دیکھ کر مریض سمجھتا ہے، حالانکہ انہیں کوئی مرض نہیں ہوتا اور جب ان کی باتوں کو سنتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ ان کی عقلوں میں فتور ہے (ایسا نہیں) بلکہ انہیں تو ایک دوسرا ہی خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ وہ اپنے اعمال کی کم مقدار سے مطمئن نہیں ہوتے اور زیادہ کو زیادہ نہیں سمجھتے وہ اپنے ہی نفسوں پر (کوتاہیوں) کا الزام رکھتے ہیں اور اپنے اعمال سے خوف زدہ رہتے ہیں، جب ان میں سے کسی ایک کو (صلاح و تقویٰ کی بنا پر) سراہا جاتا ہے تو وہ اپنے حق میں کہی ہوئی باتوں سے لرز اٹھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں دوسروں سے زیادہ اپنے نفس کو جانتا ہوں، اور یہ کہ میرا پروردگار مجھ سے بھی زیادہ میرے نفس کو جانتا ہے۔ خدایا ان کی باتوں پر میری گرفت نہ کرنا اور میرے متعلق جو یہ حسن ظن رکھتے ہیں مجھے اس سے بہتر قرار دینا اور میرے ان گناہوں کو بخش دینا جو ان کے علم میں نہیں۔

ان میں سے ایک کی علامت یہ ہے کہ تم اس کے دین میں استحکام، نرمی و خوش خلقی کے ساتھ دور اندیشی، ایمان میں یقین و استواری، بردباری کے ساتھ دانائی، خوش حالی میں میانہ روی، عبادت میں عجز و نیاز مندی، فقر و فاقہ میں آن بان، مصیبت میں صبر، طلب رزق میں حلال پر نظر، ہدایت میں کیف و سرور اور طمع سے نفرت و بے تعلقی دیکھو گے۔ وہ نیک اعمال بجا لانے کے باوجود خائف رہتا ہے۔ شام ہوتی ہے تو اس کے پیش نظر اللہ کا شکر اور صبح ہوتی ہے تو اس کا مقصد یاد خدا ہوتا ہے۔ رات خوف و خطر میں گزارتا ہے اور صبح کو خوش اٹھتا ہے۔ خطرہ اس کا کہ رات غفلت میں نہ گزر جائے اور خوشی اس فضل و رحمت کی دولت پر جو اسے نصیب ہوئی ہے۔ اگر اس کا نفس کسی ناگوار صورت حال کے برداشت کرنے سے انکار کرتا ہے تو وہ اس کی من مانی خواہش کو پورا نہیں کرتا، جاودانی نعمتوں میں اس کے لیے آنکھوں کا سرور ہے اور دار فانی کی چیزوں سے بے تعلقی و بیزاری ہے۔ اس نے علم میں حلم اور قول میں عمل کو سمو دیا ہے

تم دیکھو گے اس کی امیدوں کا دامن کوتاہ، لغزشیں کم، دل متواضع اور نفس قانع، غذا قلیل، رویہ بے زحمت، دین محفوظ، خواہشیں مردہ اور غصہ ناپید ہے اس سے بھلائی ہی کی توقع ہو سکتی ہے اور اس سے گزند کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ جس وقت ذکر خدا سے غافل ہونے والوں میں نظر آتا ہے جب بھی ذکر کرنے والوں میں لکھا جاتا ہے چونکہ اس کا دل غافل نہیں ہوتا اور جب ذکر کرنے والوں میں ہوتا ہے تو ظاہر ہی ہے کہ اسے غفلت شعاروں میں شمار نہیں کیا جاتا۔

جو اس پر ظلم کرتا ہے اس سے درگزر کر جاتا ہے. جو اسے محروم کرتا ہے اس کا دامن اپنی عطا سے بھر دیتا ہے. جو اس سے بگاڑتا ہے یہ اس سے بناتا ہے بیہودہ بکواس اس کے قریب نہیں پھٹکتی اس کی باتیں نرم، برائیاں ناپید اور اچھائیاں نمایاں ہیں۔ خوبیاں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ یہ مصیبت کے جھٹکوں میں کوہ حلم و وقار سختیوں پر صابر اور خوش حالی میں شاکر رہتا ہے جس کا دشمن بھی ہو اس کے خلاف بے جا زیادتی نہیں کرتا اور جس کا دوست ہوتا ہے اس کی خاطر بھی کوئی گناہ نہیں کرتا۔ قبل اس کے کہ اس کی کسی بات کے خلاف گواہی کی ضرورت پڑے وہ خود ہی اعتراف کر لیتا ہے۔ امانت کو ضائع و برباد نہیں کرتا جو اسے یاد دلایا گیا ہے اسے فراموش نہیں کرتا۔ نہ دوسروں کو برے ناموں سے یاد کرتا ہے نہ ہمسایوں کو گزند پہنچاتا ہے، نہ دوسروں کی مصیبتوں پر خوش ہوتا ہے، نہ باطل کی سرحد میں داخل ہوتا ہے اور نہ جادہ حق سے قدم باہر نکالتا ہے۔

گر چپ سادھ لیتا ہے تو اس کی خاموشی سے اس کا دل نہیں بجھتا، اور اگر ہنستا ہے تو آواز بلند نہیں ہوتی۔ اگر اس پر زیادتی کی جائے تو سہہ لیتا ہے تاکہ اللہ ہی اس کا انتقام لے۔ اس کا نفس اس کے ہاتھوں مشقت میں مبتلا ہے اور دوسرے لوگ اس سے امن و راحت میں ہیں۔ اس نے آخرت کی خاطر اپنے نفس کو زحمت میں اور خلق خدا کو اپنے نفس (کے شر) سے راحت میں رکھا ہے جن سے دوری اختیار کرتا ہے تو یہ زہد و پاکیزگی کے لیے ہوتی ہے اور جن سے قریب ہوتا ہے تو یہ خوش خلقی و رحم دلی کی بنا پر ہے نہ اس کی دوری غرور و کبر کی وجہ سے نہ اس کا میل جول کسی فریب اور مکر کی بنا پر ہوتا ہے۔

(راوی کا بیان ہے کہ ان کلمات کو سنتے سنتے ہمام پر غشی طاری ہوئی اور اسی عالم میں اس کی روح پرواز کر گئی۔) امیر المومنین نے فرمایا، کہ خدا کی قسم مجھے اس کے متعلق یہی خطرہ تھا۔ پھر فرمایا کہ موثر نصیحتیں نصیحت پذیر طبیعتوں پر یہی اثر کیا کرتی ہیں

(اس وقت ایک کہنے والے نے کہا کہ یا امیر المومنین علیہ السّلام! پھر کیا بات ہے کہ خود آپ پر ایسا اثر نہیں ہوتا؟) حضرت نے فرمایا کہ بلاشبہ موت کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے کہ وہ اس سے آگے بڑھ ہی نہیں سکتا اور اس کا ایک سبب ہوتا ہے جو کبھی ٹل نہیں سکتا۔ ایسی (بے معنی) گفتگو سے جو شیطان نے تمہاری زبان پر جاری کی ہے۔ باز آؤ اور ایسی بات پھر زبان پر نہ لانا"

یہ خطبہ ہمام تھا جو اپنے اختتام کو پہنچا قرآن شریف میں بھی متقین کو اس طرح یاد کیا گیا ہے «وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۔ الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ» اپنے رب کی بخشش کی طرف دوڑو اور جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین ہے۔ جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ان لوگوں کے لئے. جو خوشی اور سختی میں انفاق کرتے ہیں غصہ پینے والے ہوتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں اور خدا نیک بندوں کو چاہتا ہے۔[1]

یہ آیت یہ بتا رہی ہے کہ جنت پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور اس کے بعد پرہیزگاروں کے کچھ صفات بیان کرتی ہیں ان میں سے پہلی صفت یہ ہے کہ وہ ہر حال میں انفاق کرتے ہیں خوشی میں ہوں یا سختی میں آسائش میں ہوں یا مشکلات میں۔ ان کے اندر سخاوت نافذ ہو چکی ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں. جو اگر ان کے پاس کچھ بھی نہ ہو پھر بھی جہاں تک انفاق کر سکتے ہیں اور دوسروں کی مدد کر سکتے ہیں، کرتے ہیں۔ آسائش اور خوشی میں انفاق کرنا اچھا کام ہے لیکن کمال کی بات

---

[1] آل عمران آیت ۱۳۳۔۱۳۴

تو جب ہے جب انسان خود ضرورت مند ہوتے ہوئے دوسروں کو خود پر مقدم کرے اور ان کو خود پر فوقیت دے یہ متقین کی صفات میں سے ہے۔ انفاق صرف مال اور دولت سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جو خدا کی طرف سے ہمیں دی گئی ہے اور ہم اس کے ذریعے دوسروں کی مدد کر سکتے ہیں جیسے علم، جیسے صحیح مشورہ دینا اور دوسری چیزیں۔

متقین کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ (کاظمین الغیظ) ہوتے ہیں اور غصے میں خود پر قابو رکھتے ہیں اسی کے ساتھ وہ معاف کرنے والے ہوتے ہیں **و العافین عن الناس** غصہ کو پینے کے بعد دل میں کینہ، نفرت، حسد وغیرہ نہیں رکھتے اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور صرف معاف ہی نہیں کرتے بلکہ وہ معاف کرنے کے بعد انکے ساتھ نیکی اور مہر و محبت سے پیش آتے ہیں۔ خدا ایسے لوگوں کو دوست رکھتا ہے **واللہ یحب المحسنین** اس کا کامل ترین نمونہ ہمارے ائمہ نے اپنے شیعوں کے لئے چھوڑا ہے ہم یہاں پر ایک نمونہ امام سجاد علیہ السلام کا پیش کر کے اپنی بات کو ختم کر رہے ہیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام کے بارے میں ملتا ہے کہ امام کی ایک کنیز لوٹے سے مولا کے ہاتھ پر پانی ڈال رہی تھی {پرانے زمانے کا لوٹا بھاری ہوتا تھا پلاسٹک کا نہیں ہوتا تھا} وہ اس کنیز کے ہاتھ سے چھٹ کر مولا کے ہاتھ پر گرا اور مولا کا ہاتھ زخمی ہو گیا مولا نے غصے میں سر اٹھایا تو فوراً اس کنیز نے کہا: **والکاظمین الغیظ** مولا نے فرمایا: میں نے غصہ پی لیا، پھر کنیز نے کہا: **والعافین عن الناس** امام نے فرمایا: معاف کر دیا، پھر وہ کنیز کہنے لگی **واللہ یحب المحسنین** مولا نے کہا جاؤ تمہیں آزاد کر دیا۔

البتہ یہ بات ہ یاد رہے غصہ پی لینا شخصی امور کے لئے ہے حدود الہی سے تجاوز کرنے والوں کے نہیں اسی طرح مومنین کی نسبت پسندیدہ ہے **رحماء بینهم** نہ دشمن اسلام کے خاطر وہاں پر سخت ہونا کمال ہے **أشداء علی الکفار**

آخر میں خداوند متعال سے دعا گو ہیں کہ وہ ہم سب کو متقی اور اہل بیت علیہم السلام کا سچا شیعہ قرار دے اور ہمیں توفیق عطا کرے کہ ہم یہ اخلاقی فضائل اپنے اندر پیدا کریں۔

اسلامی معاشرہ میں نفاق کے اسباب و نتائج

فیروز علی بنارسی

اسلامی معاشرہ میں ہر فرد کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کو پہچانے اور ان سے بچنے کی کوشش کرے۔ خداوند عالم نے امت مسلمہ کو ان کے مختلف جنی اور انسی دشمنوں، ان کی دشمنی کے ذرائع اور ان سے مقابلہ کے طریقے بتائے ہیں اور اسے دشمنوں سے دوری رہنے اور ان سے بیزاری کرنے کا حکم دیا ہے :

ایمان والو! خبردار میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بنانا[1]۔

قرآن کریم کی رو سے امت مسلمہ کے چار طرح کے دشمن ہیں:

۱۔ شیطان اور اسکے کارندے

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو اسے دشمن سمجھو[2]۔

۲۔ کفار

بے شک کفار تمہارے لئے کھلے ہوئے دشمن ہیں [3]۔

۳۔ بعض اہل کتاب بالخصوص یہود

(جیسا کہ صدر اسلام کی تاریخ گواہ ہے) قرآن مجید نے اسلام اور مسلمانوں کا سب سے سخت دشمن یہودیوں کو قرار دیا ہے اور ان کے ساتھ دوستانہ روابط برقرار کرنے سے منع کیا ہے:

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ۔ [4]

آپ دیکھیں گے کہ صاحبان ایمان سے سب سے زیادہ عداوت رکھنے والے یہودی ہیں۔

۴۔ منافقین

قرآن کریم نے منافقین کو پہچنوانے اور ان کے صفات بیان کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے۔ تقریباً ۳۰۰ آیتوں میں منافقین کی چال بازیوں اور ان سے مقابلہ کی راہیں بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ نفاق کے لغوی اور اصطلاحی معنی

---

[1] سورۂ ممتحنہ:۱

[2] سورۂ فاطر:۶

[3] سورۂ نساء:۱۰۱

[4] سورۂ مائدہ:۸۲

لفظ نفاق کفر کو پوشیدہ کرنے اور ایمان کو ظاہر کرنے کے معنی میں ہے، اس لفظ کو اس معنی میں سب سے پہلے قرآن نے استعمال کیا ہے، اسلام سے پہلے عرب نے اس لفظ کو اس معنی میں استعمال نہیں کیا تھا۔

منافقین کے صفات و خصوصیات قرآن کریم کی نگاہ میں

قرآن کریم کی روشنی میں منافقین کے صفات اور خصوصیات کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

الف) اسلامی معاشرہ میں منافقین کے سیاسی صفات

ب) منافقین کی انفرادی خصوصیات اور طور طریقے

ج) منافقین کے اجتماعی اور سماجی صفات

د) منافقین کی ثقافتی چالبازیاں

منافقین کے سیاسی خصوصیات

الف: اسلام دشمن طاقتوں سے رابطہ

منافقین کی ایک سیاسی صفت اسلام دشمن طاقتوں سے رابطہ برقرار کرنا اور ان سے دوستی کرنا ہے۔ قرآنی نقطہ نظر سے منافقین اسلام دشمن طاقتوں سے دوستی کرتے ہیں اور صاحبان ایمان کے ساتھ بہت برا برتاؤ کرتے ہیں، ان کی تحقیر اور مسخرہ کرتے ہیں، مسلسل عیب جوئی کرتے ہیں تاکہ دشمنان اسلام سے زیادہ سے زیادہ نزدیک ہو سکیں:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِم مَّا هُم مِّنكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اس قوم سے دوستی کرلی ہے جس پر خدا نے عذاب نازل کیا ہے یہ نہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے اور یہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور خود بھی جھوٹ سے باخبر ہیں۔

منافقین کے اسلام دشمن طاقتوں سے ربط اور لگاؤ کا ایک واضح نمونہ ان کی ہم نشینی اور ان کا ہم خیال ہونا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے واضح لفظوں میں کافروں اور آیات خدا کا مذاق اڑانے والوں کی ہم نشینی سے منع کیا ہے:

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ۔[1]

اور جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری نشانیوں کے بارے میں بے ربط بحث کر رہے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ دوسری بات میں مصروف ہو جائیں۔

منافقین چھپ کر دشمنان اسلام کے جلسوں اور نشستوں میں شرکت کرتے تھے اور عصر نبویؐ کی تاریخ گواہ ہے کہ منافقین مدینہ میں آباد یہودیوں کے تینوں قبیلوں (بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ) سے رابطہ رکھے ہوئے تھے۔

---

[1] سورہ انعام: ۶۸

منافقین کے دشمنان اسلام سے رابطہ کا ایک دوسرا نمونہ ان کی اطاعت اور پیروی کرنا ہے جبکہ قرآن نے کفار کی اطاعت اور پیروی کو زمانہ جاہلیت کی سنتوں کی طرف پلٹنا قرار دیا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ۔

ایمان والو! اگر تم کفر اختیار کرنے والوں کی اطاعت کروگے تو یہ تمہیں الٹے پاؤں پلٹا لے جائیں گے اور پھر تم ہی الٹے خسارہ والوں میں ہوجاؤ گے[1]۔

قرآن مجید نے منافقوں کی دشمنان اسلام اور کفار سے رابطہ کی دو وجہیں بیان کی ہیں:

الف) عزت حاصل کرنا

منافقین اپنے اس دوغلے برتاؤ کے ذریعہ لوگوں میں، محبوبیت اور عزت حاصل کرنے کی فکر میں رہتے ہیں:

الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا۔

جو لوگ مومنین کو چھوڑ کر کفار کو اپنا ولی اور سرپرست بناتے ہیں۔ کیا یہ ان کے پاس عزت تلاش کررہے ہیں جب کہ ساری عزت صرف اللہ کے لئے ہے[2]

ب) رعب و خوف

منافقوں کا اسلام دشمن طاقتوں سے رابطہ برقرار کرنے کا ایک سبب مستقبل میں دشمن کا ان کے اوپر مسلط ہوجانے کا خوف تھا تاکہ اگر کفار کسی دن ان پر مسلط ہوجائیں تو وہ راحت و آرام کے ساتھ زندگی گزار سکیں اور ان کے جان و مال خطرے میں نہ پڑیں:

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَى مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ۔ [3]

پیغمبر! آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ دوڑ دوڑ کر ان کی طرف جارہے ہیں اور یہ عذر بیان کرتے ہیں کہ ہمیں گردش زمانہ کا خوف ہے۔ پس عنقریب خدا اپنی طرف سے فتح یا کوئی دوسرا امر لے آئے گا تو یہ اپنے دل کے چھپائے ہوئے راز پر پشیمان ہوجائیں گے۔

قرآن کریم اس غلط فکر کے جواب میں فرماتا ہے: ممکن ہے کہ مسلمانوں کو فتح و کامیابی حاصل ہوجائے اور وہ سر اقتدار ہوجائیں کہ ایسا ضرور ہوگا تو ایسی صورت میں تم کیا کروگے؟ بے شک مسلمان کامیاب ہونگے اور تم لوگ اپنے اس برے کردار و رفتار سے پشیمان ہوگے۔

ب) امامت و ولایت سے مقابلہ

---

[1] سورۂ آل عمران: ۱۴۹

[2] سورۂ نساء: ۱۳۹

[3] سورۂ مائدہ: ۵۲

منافقین کی دوسری سیاسی خصوصیت امامت کا مقابلہ کرنا ہے، چونکہ منافقین حاکمیت حق اور اسلامی حکومت کے دشمن ہوتے ہیں اور طاغوت کی حکومت لانا چاہتے ہیں لہٰذا ہمیشہ اسلامی نظام اور اس کے اہم رکن ولایت سے برسرپیکار رہتے ہیں اور مختلف طریقوں سے اپنی اس عداوت و دشمنی کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۔ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ[1]۔

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لے آئے ہیں اور ان کی اطاعت کی ہے اور اس کے بعد ان میں سے ایک فریق منہ پھیر لیتا ہے اور یہ واقعاً صاحبان ایمان نہیں ہیں۔ اور جب انھیں اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو ان مین سے ایک فریق کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم نے ایسے کئی موارد بیان کئے ہیں جہاں منافقین کھل کر امامت و ولایت کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، منجملہ:

۱)دینی حکومت کو قبول نہ کرنا

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ۔[2]

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا خیال ہے کہ وہ آپ پر اور آپ کے پہلے نازل ہونے والی چیزوں پر ایمان لے آئے ہیں اور پھر یہ چاہتے ہیں کہ سرکش لوگوں کے پاس فیصلہ کرائیں جب کہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا انکار کریں

صرف یہی نہیں بلکہ دوسروں کو بھی حق سے روکتے تھے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ حکم خدا اور اس کے رسول کی طرف آؤ تو منافقین کو دیکھو گے کہ شدت سے انکار کر دیتے ہیں[3]

۲)فرامین نبوی کی عملی مخالفت

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ۔[4]

اور یہ لوگ پہلے اطاعت کی بات کرتے ہیں۔ پھر جب آپ کے پاس سے باہر نکلتے ہیں تو ایک گروہ اپنے قول کے خلاف تدبیریں کرتا ہے۔

۳)حدود ولایت کو پار کر جانا

---

[1] سورۂ نور:۴۷۔۴۸

[2] سورۂ نساء:۶۰

[3] سورۂ نساء:۶۰

[4] سورۂ نساء:۸۱

قرآن کریم نے ولایت الٰہی کے لئے کچھ حدود معین کئے ہیں اور تمام مسلمانوں کے اوپر واجب قرار دیا ہے کہ ان کی رعایت کریں۔ ولایت الٰہیہ کی پہلی حریم یہ ہے کہ جب بھی ولی خدا کوئی حکم دے تو بغیر چوں و چرا کے اس کی اطاعت کی جائے۔ اگر اس کی اطاعت نہ کی جائے تو اسلامی نظام کامیاب نہیں ہو سکتا۔ البتہ ولی خدا کے فرامین کو بے چوں و چرا انجام دینے اور نصیحت اور مشورہ دینے میں کوئی منافات نہیں ہے، جب تک ولی خدا نے کوئی حکم صادر نہیں کیا ہے ہر ایک کو اس بات کی اجازت ہے کہ "اَلنَّصِیحَةُ لِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِینَ" کے عنوان سے اپنے نظریات اور تجاویز کو پیش کریں لیکن جب ولی خدا حکم صادر کر دے تو ہر ایک پر اس کی اطاعت واجب و لازم ہے۔

ولایت الٰہیہ کی دوسری حریم ولیِ خدا کا احترام و اکرام ہے جیسا کہ قرآن کریم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے حضور میں آواز کو نیچا رکھنے کو احترام ولایت کا ایک مصداق قرار دیا ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ[1]... ایمان والو! خبردار اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرنا۔

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا[2]۔ مسلمانو! خبردار رسول کو اس طرح نہ پکارا کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

حریم ولایت کی بے حرمتی کا ایک اور نمونہ ولی خدا کو سادہ لوح جاننا ہے: وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ[3]۔ اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو پیغمبر کو اذیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ صرف کان ہیں۔

ج) مفاد پرستی

منافقین کی ایک اور خصوصیت مفاد پرستی ہے ان کی نگاہ میں صرف اپنے مفادات اہم ہیں اور یہی چیز ان کے نفاق اپنانے کا ایک اہم سبب ہے۔

منافقین کی مفاد پرستی کا واضح نمونہ مال غنیمت حاصل کرنے میں آگے آگے رہنا اور جنگ سے بھاگ جانا ہے۔ جب بھی مسلمان کامیاب ہوتے تھے فوراً مسلمانوں کے ساتھ ہو لیتے تھے اور جب مسلمان شکست سے دچار ہوتے تھے تو دشمنان اسلام سے کہتے تھے: کیا ہم نے نہیں کہا تھا کہ تم لوگ کامیاب ہو گے؟ ہمارے حصہ کو بھی ادا کرو۔

قرآن کریم نے منافقین کی اس صفت کو اس طرح بیان کیا ہے:

الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ

---

[1] سورۂ حجرات: ۲

[2] سورۂ نور: ۶۳

[3] سورۂ توبہ: ۶۱

عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۔[1] یہ منافقین تمہارے حالات کا انتظار کرتے رہتے ہیں کہ تمہیں خدا کی طرف سے فتح نصیب ہو تو کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے اور اگر کفار کو کوئی حصہ مل جائے گا تو ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تم پر غالب نہیں آ گئے تھے اور تمہیں مومنین سے بچا نہیں لیا تھا تو اب خدا ہی قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور خدا کفار کے لئے صاحبان ایمان کے خلاف کوئی راہ نہیں دے سکتا۔

اگر صدر اسلام سے لیکر آج تک کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ تاریخ اسلام میں مسلمانوں پر ہونے والے اکثر حملے اور نقصانات کا ایک اہم سبب مسلمانوں کے درمیان مفاد پرستوں کا اثر و رسوخ رہا ہے۔

بنی امیہ کہ جنھوں نے ہزار مہینے تک امت اسلامی پر حکومت کی اور اپنے دوران حکومت میں بے شمار جرم و گناہ کے مرتکب ہوئے، یہ سب اسلام میں مفاد پرستوں کے نفوذ کا ایک نمونہ ہے۔

ابوسفیان کہ فتح مکہ کے موقع پر جس کے پاس مسلمان ہونے کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ نہیں تھا اور اسلام کبھی بھی اس کے دل میں داخل نہیں ہوا تھا اس نے فرصت طلبی اور بہت تیزی کے ساتھ حکومت کے عالی ترین رتبہ میں نفوذ کیا یہاں تک کہ عثمان کے دور حکومت میں سب سے زیادہ اقتدار حاصل کیا اور حکومت عثمان سے پہلے ہی حکومت شام مکمل طور سے اس کے بیٹے معاویہ کے ہاتھ میں تھی۔

بنی عباس کی فرصت طلبی کی تاریخ بھی کافی عبرت ناک ہے انھوں نے اہل بیتؑ کی مقبولیت سے استفادہ کرتے ہوئے رضائے آل محمدؐ کے نام پر کیا کیا اور لوگوں کو اپنے گرد جمع کیا اور جب کامیاب ہو گئے تو اہل بیتؑ پر ویسے ہی ظلم و ستم ڈھانے لگے جیسے بنی امیہ ڈھاتے تھے۔

د) فتنہ پروری

منافقین کی ایک اور خصوصیت جسے قرآن نے صاف لفظوں میں بیان کیا ہے لوگوں میں فتنہ پھیلانا ہے۔ وہ ہمیشہ اسلامی معاشرہ میں فتنہ پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اس راستہ سے اپنے ناپاک عزائم میں کامیابی حاصل کر کے دوبارہ کفر و طاغوت کی حکومت قائم کر سکیں: لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ وَاللهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۔[2] اگر نکلنا چاہتے تو اس کے لئے سامان تیار کرتے لیکن خدا ہی کو ان کا نکلنا پسند نہیں ہے اس لئے اس نے ان کے ارادوں کو کمزور رہنے دیا اور ان سے کہا گیا کہ اب تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

اس آیہ کریمہ میں منافقین کی فتنہ پروری سے مراد معاشرہ میں اختلاف پیدا کرانے کی کوشش کرنا اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ منافقین کا میدان جہاد میں حاضر ہونا جذبات کے کمزور ہونے، تفرقہ اور شک و تردید کا سبب ہوتا تھا۔

---

[1] سورۂ نساء: ۱۴۱

[2] سورۂ توبہ: ۴۷

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی بعض علمی و فکری سرگرمیاں

انتخاب و ترجمہ سید حمید الحسن زیدی

امام علی نقی علیہ السلام ۵ رجب یا بروایتے ۱۵ذی الحجہ کو ۲۱۲ھ کو مدینہ سے قریب صریا نامی جگہ پر پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد امام محمد تقیؑ تھے اور مادر گرامی کا نام سمانہ تھا۔

کنیت ابوالحسن اور القاب نقی، ہادی، عالم، فقیہ، امین، موتمن، طیب، متوکل، عسکری اور نجیب تھے آپ کو ابوالحسن ثالث بھی کہا جاتا ہے۔

آپ ۳/رجب ۲۵۴ھ کو سامرہ میں شہید ہوئے اور وہیں آپ کو سپرد خاک کیا گیا اس وقت آپ کی عمر مبارک بیالیس سال تھی آپ نے ۸ سال اپنے والد کے ساتھ زندگی بسر کی اور ۳۳ سال خود منصب امامت پر فائز رہے۔[1]

امام علی نقی علیہ السلام کی امامت

اصفہان کے کچھ لوگ جن میں ابو العباس احمد ابن نصر اور ابو جعفر محمد ابن علویہ بھی ہیں، بیان کرتے ہیں: اصفہان میں عبد الرحمن نام کا ایک شخص تھا جو شیعہ تھا اس سے کہا گیا کہ تم نے تمام لوگوں کے درمیان امام علی نقیؑ کی امامت ہی کو کیوں قبول کیا؟

اس نے کہا: کہ میں ان کے بارے میں ایسی چیز کا شاہد ہوں کہ جس سے مجھے ایمان حاصل ہو گیا۔

میں ایک غریب آدمی تھا البتہ گفتگو کرنے میں جری تھا اصفہان والوں نے ایک سال مجھے کچھ دوسرے افراد کے ساتھ انصاف طلب کرنے کے لئے متوکل کے پاس بھیجا ایک دن میں متوکل کے گھر میں تھا کہ اس نے حکم دیا علی ابن محمد ابن رضاؑ کو بلایا جائے۔

میں نے حاضرین میں سے ایک شخص سے پوچھا یہ کون ہیں؟ جن کو بلانے کا حکم دیا گیا ہے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے متوکل آپ کو قتل کرنا چاہتا ہے اس نے بتایا کہ یہ ایک علوی ہے، رافضی جس کو امام مانتے ہیں۔

میں نے سوچا میں یہیں رکوں گا تاکہ اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ یہ کون شخص ہے۔

تھوڑی دیر میں امام علی نقیؑ گھوڑے پر سوار وہاں تشریف لائے لوگوں نے آپ کے لئے راستہ چھوڑ دیا اور سب آپ کی طرف دیکھ رہے تھے میں نے جیسے ہی ان کو آتا ہوا دیکھا میرے دل میں ان کی محبت نے جگہ بنالی اور میں نے دعا کی کہ خدا متوکل کا شر آپ سے دور رکھے جب آپ میرے پاس پہونچے تو مجھ سے فرمایا کہ تیری دعا قبول ہو گئی تیری عمر طولانی ہوگئی اور تجھے کثیر مال و اولاد عطا ہو گا۔

اس غیر متوقع خبر سے میرا بدن کانپ گیا لیکن میں نے اپنے ساتھیوں سے کچھ نہ کہا اس کے بعد میں اصفہان واپس آیا میرے پاس بہت زیادہ مال و دولت آگیا صرف گھر میں ہزار ہزار درہم ہیں اور گھر کے باہر جو اموال ہیں وہ الگ ہیں خداوند عالم نے مجھے دس بیٹے عطا کئے

---

[1] کافی، ج ا، ص ۴۹۷، الارشاد، ج ۲، ص ۲۹۷، بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۱۱۷۔ ۱۱۳؛ الفصول المہمہ، ص ۲۵۹؛ مطالب السؤول، ج ۲، ص ۱۴

اب میری عمر ستر سال سے کچھ زیادہ ہے میں ان کو اپنا امام سمجھتا ہوں جن کو میرے مستقبل کا حال معلوم تھا اور ان کی دعا میرے بارے میں مستجاب ہوئی تھی[1]۔

ابو موسیٰ کا بیان ہے: میں نے امام علی نقیؑ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی مخصوص دعا تعلیم فرمادیں جسے میں اپنی مشکلات کے حل کے لئے پڑھ لیا کروں آپ نے فرمایا: میں اکثر اس دعا کو پڑھتا ہوں اور میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ دعا کرنے والے کو اپنی بارگاہ سے مایوس واپس نہ کرے۔

يا عدتي عند العدد، و يا رجائي و المعتمد و يا كهفي والسند، و يا واحد يا أحد، يا قل هو الله أحد، و أسألك۔ اللّهم !۔ بحق من خلقته من خلقك و لم تجعل في خلقك مثلهم أحداً، أن تصلي عليهم (و أن تفعل بي كيت و كيت)[2]

محمد ابن احمد علوی نے اپنے چچا سے نقل کیا ہے: کہ میں ایک دن امام علی نقیؑ کی خدمت میں تھا میں نے عرض کیا متوکل نے میرے حقوق کو بند کر دیئے ہیں اس لئے کہ اس کو معلوم ہو گیا ہے میں آپ سے وابستہ ہوں بہتر ہے اس سلسلہ میں آپ اس سے بات کریں۔

آپ نے فرمایا: انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

میں رات میں اپنے گھر میں تھا کہ متوکل نے کسی کو میرے گھر بھیجا اس نے دروازہ پر دستک دی اور کہا تجھے متوکل نے بلایا ہے۔ میں جب متوکل کے پاس گیا اس نے کہا ابو موسیٰ میں اپنی مصروفیات کی بنا پر تجھے بھول گیا تھا تیرے کتنے پیسے میرے ذمہ ہیں؟

میں نے عرض کیا: فلاں مقدار جو ہمیشہ عطا کرتے تھے میں نے ان چیزوں کو اس کے سامنے بیان کیا اس نے حکم دیا کہ مجھے اس سے دوگنا عطا کیا جائے۔

میں نے حکم ابن خاقان سے پوچھا کیا علی ابن محمدؑ یہاں آئے تھے یا آپ نے متوکل کے لئے کوئی خط تحریر فرمایا تھا اس نے کہا نہیں۔

میں امامؑ کی خدمت میں پہونچا آپ نے فرمایا: اے ابو موسیٰؑ اتنے پیسہ سے تم راضی ہو گئے میں نے عرض کیا آپ کے وجود کی برکت سے اے میرے سید و سردار ان لوگوں کا بیان ہے کہ آپ نہ متوکل کے پاس گئے اور نہ اس سے کسی چیز کا مطالبہ کیا۔

آپ نے فرمایا: کہ خداوند عالم جانتا ہے کہ ہم اپنی مشکلات کے حل کے لئے اس کے علاوہ کسی اور سے پناہ نہیں مانگتے خدا نے ہماری ایسی عادت ڈلوائی ہے کہ جب ہم دعا کرتے ہیں تو وہ قبول کر لیتا ہے ہم ڈرتے ہیں کہ اگر ہم اپنا رویہ بدل دیں تو کہیں خدا بھی ہمارے اوپر اپنے لطف و کرم کا دروازہ نہ بند کر دے[3]۔

امام علی نقیؑ کی عمر مبارک تقریباً ۴۲ سال تھی آٹھ سال کی عمر میں منصب امامت پر فائز ہوئے آپ کی امامت کا زمانہ تقریباً ۳۳ سال تھا اپنی امامت کی ابتدا میں تقریباً بیس سال مدینہ میں زندگی بسر کی اور تاریخ کے مطابق اس زمانے میں بغداد کے حکمراں مدینہ میں اپنے حکام

---

[1] بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۱۴۱

[2] بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۱۲۷،

[3] مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۴۴

کے ذریعہ آپ کی نگرانی کرتے تھے لہذا شیعوں اور آپ کے عقید تمندوں کو تعلیمات کے حصول میں پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس کے باوجود متوکل نے صرف دور سے نگرانی کرنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ مدینہ کے حکام کی شکایت پر آپ کو مدینہ سے بظاہر احترام کے ساتھ بغداد بلوالیا اور وہاں سے آپ کو سامرہ کے محلہ عسکر، جہاں فوجیوں کی رہائش گاہ تھی منتقل کر دیا اس وقت ۲۴۳ھ سے آپ کو خفیہ اور فوجی افراد کی شدید نگرانی میں سخت نظربند کر دیا گیا اور اس طرح شیعوں سے آپ کا رابطہ بالکل ختم ہوگیا یا بہت کم رہ گیا ایسے حالات میں کس کی ہمت ہوسکتی تھی کہ وجوہ شرعیہ لے جاکر آپ کی خدمت میں پہونچاتا یا آپ سے تعلیم حاصل کرتا یہی وجہ ہے آپ سے نقل ہونے والی احادیث کی مقدار زیادہ نہیں ہے۔

لیکن پھر بھی اصول دین، عقائد، اخلاق، موعظہ و نصیحت اور فقہ کے مختلف ابواب میں آپ سے بہت سی احادیث نقل ہوئی ہیں جو احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں ان کے مطالعہ سے آپ کے علمی مراتب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

امام علی نقیؑ نے بہت سے شاگردوں کی تربیت کی جن کے اسمائے گرامی تاریخ، حدیث اور رجال کی کتابوں میں درج ہیں۔

کتاب مناقب کے مؤلف نے آپ کے اصحاب کے نام اس طرح ذکر کئے ہیں:

داؤد ابن زید ابو سلیم زنکان، حسین ابن محمد مدائنی، احمد ابن اسماعیل ابن تقطیر، بشر ابن بشار نیشابوری شاذانی، سلیمان ابن جعفر تروزی، فتح ابن یزید جرجانی، محمد ابن سعید ابن کلثوم، جو متکلم و علم کلام کے ماہر تھے معاویہ ابن حکیم کوفی، علی ابن محمد ابن محمد بغدادی، ابو الحسن ابن رجا عبر تائی[1]۔

امام علی نقی علیہ السلام کا دور ائمہ معصومین علیہم السلام کی زندگی کے سب سخت ادوار میں تھا ایک طرف حکومت کے مظالم اپنی انتہا پر تھے تو دوسری طرف سماج میں فکری و نظریاتی انحرافات کی باڑھ آئی تھی جس سے اسلامی عقائد و نظریات کے متاثر ہونے کا خطرہ تھا جیسے

جبر و تفویض کا مسئلہ اور امام ہادی علیہ السلام:

شہر اہواز کے عوام نے امام ہادی علیہ السلام کے نام ایک خط میں اپنے لئے درپیش مسائل کے سلسلے میں سوالات پوچھے جن میں جبر اور تفویض اور دین پر لوگوں کے درمیان اختلافات کی خبر دی اور چارہ کار کی درخواست کی۔ امام ہادی علیہ السلام نے اہواز کے عوام کے خط کا تفصیلی جواب دیا جو ابن شعبہ حرانی نے تحف العقول میں نقل کیا ہے۔ امام علیہ السلام نے اس خط کی ابتداء میں مقدمے کی حیثیت سے مختلف موضوعات بیان کئے ہیں اور خط کے ضمن میں ایک بنیادی مسئلہ بیان کیا ہے جو ثقلین (قرآن و اہل بیت علیہم السلام) سے وابستگی ہے جس کو امام علیہ السلام نے مفصل انداز سے بیان کیا ہے۔ اور اس کے بعد آیات الٰہی اور احادیث نبوی سے استناد کر کے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی ولایت کا اثبات کیا ہے۔ چنانچہ امام علیہ السلام وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ہم نے یہ مقدمہ اور یہ امور تمہید میں ان مسائل کے ثبوت اور دلیل کے طور پر بیان کئے جو کہ جبر و تفویض کے مسئلہ اور ان دو معنوں کا درمیانی امر ہے۔

امام علی نقی علیہ السلام اس تمہید کے بعد موضوع کی طرف آتے ہیں اور امام صادق علیہ السلام کے اس قول شریف "لَا جَبْرَ وَلَا تَفْوِيضَ وَلٰكِنْ مَنْزِلَةٌ بَيْنَ الْمَنْزِلَتَيْنِ"، کا حوالہ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: "إِنَّ الصَّادِقَ سُئِلَ هَلْ أَجْبَرَ اللّٰهُ الْعِبَادَ

[1] مناقب آل ابوطالبؑ ج ۴، ص ۴۳۴

عَلَى الْمَعاصی؟ فَقالَ الصّادِقُ علیہ السلام هُوَ اَعْدَلُ مِنْ ذٰلِكَ. فَقیلَ لَهُ: فَهَلْ فَوَّضَ اِلَیْهِمْ؟ فَقالَ علیہ السلام: هُوَ اَعَزُّ وَاَقْهَرُ لَهُمْ مِنْ ذٰلِكَ"؛ امام صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا خدا نے انسان کو نافرمانی اور معصیت پر مجبور کیا ہے؟ امام علیہ السلام نے جواب دیا: خداوند اس سے کہیں زیادہ عادل ہے کہ ایسا عمل انجام دے۔ پوچھا گیا: کیا خداوند متعال نے انسان کو اس کے حال پہ چھوڑ رکھا ہے اور اختیار اسی کے سپرد کیا ہے؟ فرمایا: خداوند اس سے کہیں زیادہ قوی، عزیز اور مسلط ہے کہ ایسا عمل انجام دے۔ امام ہادی علیہ السلام مزید فرماتے ہیں: مروی ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: "النّاسُ فِي الْقَدَرِ عَلٰى ثَلاثَةِ اَوْجُهٍ: .... لوگ "قدر" پر اعتقاد کے حوالے سے تین گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں: کچھ کا خیال ہے کہ تمام امور و معاملات انسان کو تفویض کئے گئے ہیں؛ ان لوگوں نے خداوند متعال کو اس کے تسلط میں سست گردانا ہے، چنانچہ یہ گروہ ہلاکت اور نابودی سے دوچار ہوگیا ہے۔ کچھ لوگ وہ ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ خداوند متعال انسانوں کو گناہوں اور نافرمانی پر مجبور کرتا ہے اور ان پر ایسے افعال اور امور واجب قرار دیتا ہے جن کی وہ طاقت نہیں رکھتے! ان لوگوں نے خداوند متعال کو اس کے احکام میں ظالم اور ستمگر قرار دیا ہے چنانچہ اس عقیدے کے پیروکار بھی ہلاک ہونے والوں میں سے ہیں۔ اور تیسرا گروہ وہ ہے جس کا عقیدہ ہے کہ خداوند متعال انسان کی طاقت و اہلیت کی بنیاد پر انہیں حکم دیتا ہے اور ان کی طاقت کے دائرے سے باہر ان پر کوئی چیز واجب نہیں کرتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اگر نیک کام انجام دیں تو اللہ کا شکر انجام دیتے ہیں اور اگر برا عمل انجام دیں تو مغفرت طلب کرتے ہیں؛ یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقی اسلام کو پا چکے ہیں۔ اس کے بعد امام ہادی علیہ السلام مزید وضاحت کے ساتھ جبر و تفویض کے مسئلے کو بیان کرتے ہیں اور ان کے بطلان کو ثابت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: اَمّا الْجَبْرُ الَّذی یَلْزَمُ مَنْ دانَ بِهِ الْخَطَأُ .... : جہاں تک جبر کا تعلق ہے۔ جس کا ارتکاب کرنے والا غلطی پر ہے۔ پس یہ اس شخص کا قول و عقیدہ ہے جو گمان کرتا ہے کہ خداوند متعال نے بندوں کو گناہ اور معصیت پر مجبور کیا ہے لیکن اسی حال میں ان کو ان ہی گناہوں اور معصیتوں کے بدلے سزا دے گا!، جس شخص کا عقیدہ یہ ہوگا اس نے اللہ تعالی کو اس کے حکم و حکومت میں ظلم کی نسبت دی ہے اور اس کو جھٹلایا ہے اور اس نے خدا کے کلام کو رد کر دیا ہے جہاں ارشاد فرماتا ہے "تیرا پروردگار کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا، نیز فرماتا ہے: "یہ (عذاب آخرت) اُسکی بناء پر ہے، جو کچھ تُمہارے اپنے دو ہاتھوں نے آگے بھیجا، اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے"۔ امام علیہ السلام تفویض کے بارے میں فرماتے ہیں: "وَاَمَّا التَّفْویضُ الَّذی اَبْطَلَهُ الصّادِقُ علیہ السلام .... ترجمہ: اور جہاں تک تفویض کا تعلق ہے۔ اس کو امام صادق علیہ السلام نے باطل کر دیا ہے اور اس کا معتقد غلطی پر ہے۔ خداوند متعال نے امر و نہی [اور امور و معاملات کے پورے انتظام] کو بندوں کے سپرد کیا ہے اور اس عقیدے کے حامل افراد کو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"فَمَنْ زَعَمَ أَنَّ اللهَ تَعالى فَوَّضَ اَمْرَهُ وَنَهْيَهُ إلى عِبادِهِ فَقَدْ أَثْبَتَ عَلَيْهِ الْعَجْزَ وَأَوْجَبَ عَلَيْهِ قَبُولَ كُلِّ ما عَمِلُوا مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَأَبْطَلَ أَمْرَ اللهِ وَنَهْيَهُ وَوَعْدَهُ وَوَعيدَهُ، لِعِلَّةِ ما زَعَمَ اَنَّ اللهَ فَوَّضَها اِلَيْهِ لاَنَّ الْمُفَوَّضَ اِلَيْهِ يَعْمَلُ بِمَشيئَتِهِ، فَاِنْ شاءَ الْكُفْرَ أَوِ الْاَيمانَ كانَ غَيْرَ مَرْدُودٍ عَلَيْهِ وَلاَ مَحْظُورٍ ..."؛ ترجمہ: پس جس نے گمان

کیا کہ خدا نے امر و نہی [اور معاشرے کے انتظامات] کا کام مکمل طور پر اپنے بندوں کے سپرد کیا ہے اور ان لوگوں نے گویا خدا کو عاجز اور بے بس قرار دیا ہے اور انھوں نے [اپنے تئیں اتنا اختیار دیا ہے] کہ اپنے ہر اچھے اور برے عمل کی قبولیت کو اللہ پر واجب قرار دیا ہے! اور اللہ کے امر و نہی اور وعدہ و وعید کو جھٹلا کر باطل قرار دیا ہے؛ کیونکہ ان کا وہم یہ ہے کہ خداوند متعال نے یہ تمام امور ان ہی کے سپرد کئے ہیں اور جس کو تمام امور سپرد کئے جاتے ہیں وہ ہر کام اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ پس خواہ وہ کفر کو اختیار کرے خواہ ایمان کا راستہ اپنائے، اس پر کوئی رد ہے اور نہ ہی اس کے لئے کوئی رکاوٹ ہے۔ امام ہادی علیہ السلام یہ دونوں افراطی اور تفریطی نظریات کو باطل کرنے کے بعد قول حق اور صحیح نظریہ پیش کرتے ہیں جو "امرٌ بین الامرین" سے عبارت ہے؛ فرماتے ہیں: "

لكِنْ نَقُولُ: إِنَّ اللهَ جَلَّ وَعَزَّ خَلَقَ الْخَلْقَ بِقُدْرَتِهِ وَمَلَّكَهُمْ اِسْتِطاعَةَ تَعَبُّدِهِمْ بِها، فَأَمَرَهُمْ وَنَهاهُمْ بِما اَرادَ، فَقَبِلَ مِنْهُمُ اتِّباعَ أَمْرِهِ وَرَضِيَ بِذلِكَ لَهُمْ، وَنَهاهُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهِ وَذَمَّ مَنْ عَصاهُ وَعاقَبَهُ عَلَيْها"؛

لیکن ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ: خداوند عزّ و جلّ نے انسان کو اپنی قوت سے خلق فرمایا اور ان کو اپنی پرستش اور بندگی کی اہلیت عطا فرمائی اور جن امور کے بارے میں چاہا انہیں حکم دیا یا روک دیا۔ پس اس نے اپنے اوامر کی پیروی کو اپنے بندوں سے قبول فرمایا اور اس [بندوں کی طاعت و عبادت اور فرمانبرداری] پر راضی اور خوشنود ہوا اور ان کو اپنی نافرمانی سے روک لیا اور جو بھی اس کی نافرمانی کا مرتکب ہوا اس کی ملامت کی اور نافرمانی کی خاطر سزا دی۔

آپ کے زمانے میں مخالفین کے علاوہ آپ کے اصحاب میں سے بہت سے افراد غالیوں کی فہرست میں شمار کئے جاتے تھے۔ جن میں سے بعض افراد کے نام یہ ہیں:

علی بن حسکہ:

یہ قاسم شعرانی یقطینی کا استاد تھا اور یہ دونوں غالیوں کے سرپرست اور آئمہ علیہم السلام کے نفرین اور لعنت شدہ افراد تھے۔ محمد بن عیسیٰ نے ان دونوں کے متعلق امام حسن عسکری علیہ السلام کو خط میں لکھا:

ہمارے یہاں ایک جماعت ہے جو آپ سے ایسی حدیثیں نقل کرتی ہے جنہیں ہم نہ تو رد کر سکتے ہیں اس لئے کہ وہ آپ سے منقول ہیں اور ان میں ایسی باتیں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے انہیں قبول بھی نہیں کر سکتے۔

وہ لوگ کہتے ہیں کہ "ان الصلاة تنهى عن الفحشاء و المنكر" سے مراد امام حسن عسکری علیہ السلام ہیں کوئی رکوع و سجود مراد نہیں ہے۔

اسی طرح فرائض و سنن کی امام حسن عسکری علیہ السلام کی ذات مقدس سے تاویل کرتے ہیں۔

امام نے جواب میں لکھا: یہ ہمارا دین نہیں ہے تم ان سے دوری اختیار کرو[1]۔

حسن بن محمد بن بابا قمی اور محمد بن موسیٰ شریقی:

---

[1] شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، جلد ۲ ص ۸۰۲

یہ لوگ علی بن حسکہ کے شاگرد تھے۔ ان لوگوں کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو امام علی نقی علیہ السلام کی لعنت کے مستحق قرار پائے تھے۔ امامؑ نے ایک خط کے ضمن میں ابن بابا قمی سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

وہ سمجھتا ہے کہ میں نے اسے بھیجا ہے اور وہ میرا دروازہ ہے۔ نیز فرمایا: اے محمد! اگر تمہارے لئے ممکن ہو تو پتھر سے اسکا سر کچل ڈالو[1]۔

محمد بن نصیر نمیری:

اس کا شمار بھی غالیوں میں ہوتا تھا۔ امام حسن عسکریؑ نے اس پر لعنت کی تھی۔ ایک فرقہ محمد بن نصیر نمیری کی نبوت کا قائل تھا کیونکہ نمیری نے دعویٰ کیا تھا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے اسے نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے۔ امام حسن عسکریؑ کے بارے میں خدائی کا دعویدار تھا۔ تناسخ کا قائل تھا، محارم سے نکاح نیز مرد کا مرد سے نکاح جائز ہے و... کا قائل تھا[2]۔

محمد موسی بن حسن بن فرات بھی اس کی پشت پناہی کرتا تھا۔ محمد بن نصیر کے پیروکار، جو نُصیری کہلائے۔ نصیری مشہور ترین غالی فرقے کا نام ہے جو خود کئی فرقوں میں بٹ گئے ہیں[3]۔

فارس بن حاتم قزوینی:

امام ہادیؑ نے حکم دیا کہ ہر طرح سے فارس بن حاتم کی تکذیب کی جائے اور اس کی بے عزتی کی جائے۔ جب علی بن جعفر اور فارس بن حاتم کے درمیان جھگڑا ہوا تو آپؑ نے علی بن جعفر کی حمایت کی اور ابن حاتم کی مخالفت کی۔ نیز آپؑ نے ابن حاتم کے قتل کا حکم بھی جاری کیا اور اس کے قاتل کے لئے اخروی سعادت اور جنت کی ضمانت بھی لی۔ بالآخر جنید نامی شیعہ نے امامؑ سے بالمشافہ اجازت حاصل کر کے ابن حاتم کو قتل کر ڈالا[4]۔

حسین بن عبید اللہ محرر:

یہ امام ہادیؑ کے اصحاب میں تھا۔ اس پر غلو کا الزام تھا۔ اہل قم نے غلو کے ملزمین کے ہمراہ اُسے قم سے باہر نکال دیا[5]۔

دیگر غالیوں میں سے احمد بن محمد سیاری تھا جو اصحاب امام ہادیؑ کے زمرے میں شمار ہوتا تھا، جس کو بہت سے علمائے رجال نے غالی اور فاسد المذہب قرار دیا ہے۔ اس شخص کی کتاب "القرآت" ان لوگوں کے لئے حوالہ جات کا ماخذ ہے جو تحریف قرآن کے حوالے سے اس سے استناد و استدلال کرتے ہیں۔[6]

---

[1] شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، جلد: ۲، ص ۸۰۵

[2] شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، جلد: ۱، ص ۸۰۵

[3] نوبختی، فرق الشیعہ ص ۱۳۶

[4] شیخ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، جلد: ۲ ص ۸۰۷

[5] شیخ طوسی، الرجال، ۳۸۵، جلد ۲ ص ۷۹۰

[6] مسند الامام الہادی علیہ السلام، ص ۳۲۳

اس دور کے دیگر غالیوں میں عباس بن صدقہ، ابو العباس طرنانی (طبرانی)، ابو عبد اللہ گندی المعروف بہ شاہ رئیس تھے جو غلات کے بزرگوں میں شمار ہوتے تھے۔[1]

مندرجہ واقعات کی روشنی میں یہ بات بالیقین کہی جاسکتی ہے کہ امام علیہ السلام نے نہایت غیر جانب داری سے غلو اور فاسد العقیدہ افراد کے لئے اپنے فریضۂ امامت سے اور پیغام حق کے احیاء سے لمحہ بھر بھی دریغ اور غفلت نہیں برتی اور جانشین رسول ﷺ کی جو ذمہ داریاں ہیں ان ذمہ داریوں کو ادا کر کے اپنی حقیقی جانشینی کو ثابت کیا اور مسند خلافت پر قابض طاغوت کو بے نقاب کیا

اس کے علاوہ آپ کی زندگی میں آپ کی مختلف النوع سرگرمیوں کی بہت سی تفصیلات ہیں جن سے اختصار کے پیش نظر چشم پوشی کی جارہی ہے

---

[1] رجال کشی، ص۸۰۶

شہید رابع فقیہ اہلبیت علامہ میرزا محمد کامل نوراللہ مرقدہ الشریف

سید رضی زیدی پھندیڑوی مقیم دہلی

تاریخ شاہد ہے ہر زمانہ میں خدا پرست، حق گو اور نیک سیرت افراد پر ظلم ہوا ہے۔ اہل باطل حق کو خاموش کرنے کی ناکام کوششیں کرتے رہے ہیں مگر خاصان خدا ہمیشہ ان کو اوران کے ناپاک مقصد کو ناکام کرتے چلے آرہے ہیں۔ جب جب باطل طاقتوں نے نور حق کو خاموش کرنے کی کوشش کی تب تب اللہ نے اپنے بندوں کے ذریعہ اپنے نور کو اجاگر کیا۔ انہیں بندوں میں سے فقیہ اہلبیت، مدافع حق، شہوار شاعری، حکیم توانا، شہید رابع آیت اللہ حکیم محمد کامل رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے جنہوں نے راہ خدامیں اپنی قربانی پیش کر کے حق کی حفاظت کی ہے۔

شہید رابع کا تعلق قدیم دہلی کے ایک کشمیری خاندان سے ہے۔ آپ کے والد مولاناعنایت اللہ احمد خاں کا شمار اپنے وقت کے بزرگ علماء میں ہوتا تھا۔ شہید کی ولادت اٹھارویں صدی میں ہوئی یہ صدی حکومتوں کے بنے اور بگڑنے میں لوگوں کے چین و سکون کو تہ و بالا کیے ہوئے تھی اسی صدی کے ۱۷۴۷عیسوی سال میں آپ نے دنیا میں قدم رکھا۔

شہید رابع ہندوستان خصوصادہلی کے اس پر آشوب ماحول میں دروس کی تحصیل اور تکمیل میں لگے تھے کہ جہاں ایک طرف مغل سلطنت میں افغان اورانگریز ایک دوسرے کے دست و گریباں تھے تو دوسری طرف دہلی میں شیعہ اور سنی امرا کے بیچ سرد جنگ چل رہی تھی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے سقوط کے دوران دہلی میں جامعہ رحیمیہ کے گدی نشین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی شہرت اور مقام اپنے عروج پر نظر آرہا تھا۔ شاہ ولی اللہ سنہ ۱۷۳۱عیسوی میں حج کے ارادے سے گئے اور وہاں سے وہابیت کے اثرات اپنے ساتھ لائے۔ دوسری طرف شیعہ نواب اودھ صفدر جنگ نے مغل سلطنت کی طرف سے سنہ ۱۷۴۷عیسوی میں احمد شاہ ابدالی کو شکست دی۔ جس کے نتیجے میں اس کے مرتبے اور عزت میں اضافہ ہوا تو دہلی میں اس کے خلاف سنی امرا کی سازشیں عروج پر پہنچ گئیں اور ۱۷۵۳ءمیں اس کو دہلی چھوڑ کر اودھ جانا پڑا۔ اس ماحول میں سنی امرا نے شاہ ولی اللہ کو شیعہ امرا کے خلاف اکسایا تو انہوں نے انگریزوں کے خلاف لڑنے والے بنگال، اودھ اور میسور کے حکمرانوں کی حمایت میں کوئی فتویٰ جاری نہ کیا۔ بنگال میں سراج الدولہ، اس کے بعد میر قاسم نے انگریزوں سے جنگ کی لیکن ان کامسلک شیعہ ہونے کی وجہ سے انھیں شاہ ولی اللہ کی طرف سے وہ حمایت نہ ملی جواحمد شاہ ابدالی کو میسر رہی۔ یہی مسلہ اودھ کے نواب شجاع الدولہ کا تھا- شاہ صاحب کے بعد بھی میسور کے نواب حیدر علی اور ان کے بیٹے فتح علی ٹیپو بھی دہلی سے کسی قسم کی عسکری یامذہبی حمایت سے محروم رہے۔

سنہ ۱۷۵۷عیسوی میں احمد شاہ ابدالی کے دہلی پر حملے میں افغانیوں نے دہلی کو لوٹا، شہر کے محلوں میں الگ الگ ٹولیاں بھیجی گئیں جنہوں نے نہ صرف گھروں کا سامان لوٹا بلکہ فرش اکھاڑ کر بھی تلاشی لی تاکہ کسی کا چھپایا گیازیور باقی نہ رہ جائے۔ دو سال بعد شاہ ولی اللہ نے احمد شاہ ابدالی کو دوبارہ دعوت دی اور اس مرتبہ اس نے دہلی کے شیعہ بھی قتل کئے اوراس کی افواج نے لوٹ مار کا وہ بازار گرم کیا جس کے نتیجہ

میں ہندوستان کی رہی سہی طاقت بھی ختم ہوگئی۔ اس دوران مغل بادشاہ عالمگیر دوم کو اس کے سنی وزیر امداد الملک نے قتل کر دیا اور ایک اور شہزادے شاہجہاں سوم کو مسند شاہی پر بٹھادیا۔ افغان بادشاہ احمد شاہ ابدالی نے دہلی میں امداد الملک کو مختار کل بنایا نجیب الدولہ کو دہلی اور اودھ کے درمیان روہیل کھنڈ میں افغانیوں کی حکومت بنادی۔

ایسے حالات میں شہید رابع اپنے زمانے کے ماہر اساتذہ سے کسب فیض کر رہے تھے چنانچہ آپ نے علم طب، نحو، صرف، منطق، فلسفہ، علم لسانیات، ادبیات، تفسیر، حدیث اور فقہ میں مہارت حاصل کرلی۔ طب کی تعلیم میں علامہ زماں حکیم شریف خان اور فقہ واصول کی تعلیم میں استاد بزرگ سید جلیل القدر مولانا سید رحم علی نے منزل کمال تک پہنچایا۔

صاحب شذور العقیان مولانا اعجاز حسین موسوی آپ کی فقہی مہارت اور اجتہاد کی تائید میں تحریر فرماتے ہیں: میں نے اکثر احباب کے پاس علامہ میرزا محمد کامل کے دستخط شدہ مسائل فقہیہ کے جوابات دیکھے ہیں۔ فروع دین کے مسائل میں اجتہاد فرماتے تھے اور کسی کے مقلد نہیں تھے۔ علم و عمل میں اس قدر کامل تھے کہ تمام ہم عصر ان کی قدر و جلالت کا اعتراف کرتے تھے۔ آپ نے "نزہہ اثنا عشریہ" کتاب میں فقہی اعتراضات کے جوابات تمام مذاہب کی فقہ کو مدنظر رکھتے ہوئے دیے آپ کے فقہی جوابات صاحب نظر ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

شہید رابع اپنے بزرگوں، اہل علم اور اپنے اساتذہ کا بہت زیادہ احترام فرماتے تھے آپ کے اس عمل کی تائید وہ واقعہ کرتا ہے جس میں کسی شخص نے اپنے مکان کے ملکیت نامہ پر آپ کی مہر و دستخط کے لئے آپ کی خدمت اقدس میں بھیجا کہ آپ اپنے دستخط اور مہر فرما دیں۔ آپ نے ملکیت نامہ لیا اور اپنے شاگرد کو مہر لگانے کے لئے دیا تو آپ کے شاگرد نے مہر لگانے کے بعد آپ کا نام تعظیمی الفاظ میں لکھ دیا؛ جب شہید نے دیکھا تو بہت ناراض ہوئے اور عبارت کاٹ کر اپنے قلم سے لکھا: تصدیق کنندہ: غلامِ خاصِ مولوی رحم علی "مرزا محمد کامل"۔ آپ کو کتب بینی کا بہت شوق تھا، ہمیشہ مطالعہ فرماتے رہتے تھے۔ آپ عربی و فارسی کے بہترین شاعر تھے اور کامل تخلص فرماتے تھے۔ آپ کی تحریریں عظیم ادیب ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

شہید رابع نے اپنی مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف کو بہت اہمیت دی اور مختلف موضوعات پر ۶۸ کتابیں لکھی جن میں نزہہ اثنا عشریہ بجواب تحفہ اثنا عشریہ کو خاص اہمیت حاصل ہے اس کتاب نے ملت اسلامیہ کی بنیاد کو مستحکم کیا۔

شاہ ولی اللہ کے بیٹوں میں سے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نفرت اور فرقہ وارانہ آگ بھڑکانے میں ماہر تھے پچیس سال کے سن میں ان کو جذام کا مرض اور بینائی کمزور ہوگئی تھی مگر شیعوں کے خلاف خطوط اور فتووں کی رفتار میں کوئی کمی نہ تھی۔ سنہ ۱۷۹۰عیسوی میں انہوں نے شیعہ اعتقادات کے خلاف **"تحفۂ اثنا عشریہ"** نامی کتاب لکھی جس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب سنی عالم خواجہ نصر اللہ کابلی کی کتاب **" صواقع موبقہ""** کی فارسی میں شرح تھی۔ اس کتاب کا پہلا نسخہ شاہ عبد العزیز نے "حافظ غلام حلیم " کے نام سے شائع کیا پھر اس کے بعد دوسری مرتبہ اپنے اصلی نام طبع کرا کے شائع کیا۔ شاہ عبد العزیز نے اس کتاب میں بارہ باب قائم کیے جن کی تفصیل اس طرح ہے:

شیعہ مذہب کا ظہور اور اس کا مختلف فرقوں میں تبدیل ہونا، شیعوں کا مکر و فریب اور ان کے گمراہ کرنے کے طریقے، شیعوں کے اسلاف، علماء اور ان کی کتابوں کا تذکرہ، شیعوں کی احادیث اور راویوں کا تذکرہ، الٰہیات، نبوت اور انبیاء پر ایمان، امامت، قیامت ثقلین سے شیعوں کی مخالفت، وہ فقہی مسائل میں جن میں شیعوں نے ثقلین کی مخالفت کی۔ تینوں خلفائے راشدین اور عائشہ اور دیگر صحابہ کی تنقید میں، شیعہ مذہب کی خصوصیات میں جو ۱۳ ابواب پر مشتمل ہے (وہم، تعصبات، لغزشات) اور تولہ اور تبرا (دس مقدمات پر شامل)۔

اس کتاب کے بعد مسلمانوں کے درمیان عجب ماحول پیدا ہو گیا اور اعتقادی لحاظ سے متزلزل نظر آنے لگے شیعہ علمائے کرام نے اس کتاب کی تردید میں قلم اٹھایا اور ہر ایک نے اپنے طریقے سے الگ الگ باب کا جواب دیا مگر مرزا محمد ہادیؒ نے اردو میں **"تحفۃ السنۃ"** اور شہید رابع علامہ سید محمد کامل دہلویؒ نے **"نزھۃ اثنا عشریۃ"** کی صورت میں مکمل ابواب کا جواب دیا۔

شہید رابع کا جواب پہلی اشاعت کے بعد ہی آگیا تھا جس کے نتیجہ میں آپ کے لوگ دشمن ہو گئے تھے اس کتاب (نزھۃ اثنا عشریہ) کے علاوہ غرۃ الراشدین، معین الصادقین، تاریخ العلماء بر علم رجال، رسالہ در علم بدیع، رسالہ صرف در فارسی، شرح نھایۃ، شرح وجیزہ شیخ بھائی، تنبہ اہل الکمال، الانصاف علی اختلاف رجال اھل الخلاف، رسالہ در فلسفہ، تتمہ نزھتہ، منتخب فیض القدیر شرح جامع الصغیر، منتخب انساب سمعانی، منتخب کنز العمال، ایضاح المقال، رسالہ بداء، رسالہ در مسئلہ رؤیت باری تعالیٰ وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔

آپ اپنے عصر کے علماء سے ہمیشہ رابطہ میں رہتے اور ان سے خط و کتابت کا سلسلہ رکھتے آپ کی اکثر مفتی محمد قلی خان سے خط و کتابت ہوا کرتی تھی، کبھی کبھی مؤمنین کی سفارش بھی مفتی صاحب سے کیا کرتے تھے۔ آیت اللہ سید دلدار علی نقوی سے بھی آپ کے روابط رہتے تھے، ایک مرتبہ آپ نے آیت اللہ غفرانمآب کو خط لکھا اور اس میں اپنے احوال کے ساتھ کتابوں کی تالیف میں کمبودی معیشت کا تذکرہ فرمایا کیونکہ آپ کو صرف پندرہ روپے ماہانہ حکومت کی طرف سے ملتے تھے اور اسی میں اپنے تمام اخراجات بمشکل تمام پورے کرتے تھے۔

شہید رابع کی اولاد میں فقط ایک بیٹے "سید ذوالفقار حسین" کا نام ملتا ہے۔

آپ ایک عارف، متقی، پرہیزگار اور لوگوں کے ہمدرد تھے پھر بھی ایسے ہمدرد انسان سے لوگ عناد اور دشمنی رکھتے تھے۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے آپ کے قتل کی سازش کی اور باہم قسم کھا کر اپنے ارادہ پر کمر باندھ لی۔ ان کے مکانات آپ کے گھر کے قریب ہی تھے، وہ لوگ جانتے تھے کہ آپ رات کو مطالعہ، تحریر اور عبادت کے بعد تنہا سوتے ہیں۔ یہ لوگ رات کی تاریکی میں جمع ہو کر شہید کے کمرہ میں داخل ہوئے اور تلواروں سے بستر پر حملہ کر دیا وہ سمجھے کہ آپ کو قتل کر دیا لیکن اتفاق سے اس رات شہید مطالعہ کتب اور عبادت الٰہی میں دوسری جگہ مصروف تھے اور ان کے بستر پر ان کے بھانجے مرزا علی لیٹے تھے، جب تلواریں ان پر لگیں اور مرزا علی کی آواز و فریاد شہید کے کانوں تک پہنچی تو آپ اپنے حجرہ سے باہر آئے اور لوگوں کو جگایا جس کی وجہ سے مرزا علی کی جان بچی۔

مگر شہید رابع کی دشمنی اسی طرح باقی رہی اور دشمن موقع کی تلاش میں رہے، نواح دہلی کی ریاست جھجھر صوبہ ہریانہ کے سنی راجا "عبد الرحمٰن" بادشاہ وقت سے خاص قرابت رکھتا تھا، اس نے شہید رابع کو مخفی طریقوں سے ضرر پہنچانے کی کوششیں کیں مگر کامیابی نہ ملی۔ اپنے آپ کو بیمار ظاہر کیا اور بادشاہ دہلی کو ایک درخواست اس مضمون سے بھیجی کہ حضور والا میرے علاج کے واسطے کسی ماہر

طبیب کو مامور فرمادیں، دو دن بعد پھر ایک خط لکھا کہ اگر بادشاہ سلامت کو یہ منظور ہے کہ فریادی کچھ دن اور زندہ رہے تو سلطان العلماء علامہ حکیم مرزا محمد کامل کو میرے علاج کے واسطے حکم فرمادیں یا جناب والا میری زندگی سے دست بردار ہو جائیں۔

بادشاہ اس راز سے بے خبر تھا کہ حکیم محمد کامل کے ساتھ سازش کی جارہی ہے، اس نے شہید رابع سے ایک فرمان کے ذریعہ کہا کہ اب آپ ریاست جھجھر کے راجا (عبد الرحمن) کے علاج کے لئے جائیں۔ شہید رابع اس کے ارادہ سے واقف تھے، اتمام حجت کی خاطر انکار کیا مگر حکومت کی طرف سے حد درجہ اصرار ہوا تو ناچار رضا بقضائہ تسلیما لامرہ آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سفر کے لئے آمادہ ہوئے اور رخصت کے وقت سب سے فرمایا کہ غالبا داعی اجل نے اس سفر میں مجھے دعوت دی ہے۔ لہذا اس رخصت کو وداع آخر سمجھنا چاہیے، میں ہر شخص کے حقوق سے بری الذمہ ہونا چاہتا ہوں۔

بالآخر سنہ ۱۲۲۵ ہجری میں وہی ہوا جو شہید نے کہا تھا۔ جھجھر کے راجہ نے علامہ محمد کامل کو زہر دغا سے شہید کر دیا۔

آپ کے جنازے کو دہلی لایا گیا اور مؤمنین کی موجودگی میں پنجہ شریف پرانی دہلی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ آپ کا مقبرہ خلائق کی زیارتگاہ بنا ہوا ہے لوگ آپ کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں اس شہید راہ حق کے واسطے سے دعا کرتے ہیں۔

شہید رابع کی زندگی سے مدافعت حق، علم دوستی اور معیشت اور خدمت خلق کے لئے حکمت جیسے علوم کو اہمیت دینا سمجھ میں آتا ہے۔

پنجہ شریف میں آپ کے نام پر حوزہ علمیہ "جامعۃ الشہید "حجۃ الاسلام مولانا محمد علی محسن تقوی صاحب کی مدیریت میں تشنگان علوم کو سیراب کر رہا ہے اور آپ کے مزار کی برکت سے طلاب علوم دینی علم و عمل کے زیور سے آراستہ ہو کر دنیا کے گوشہ و کنار میں نور ہدایت پہنچا رہے ہیں۔

میں خداوند متعال کی بارگاہ میں دعاگو ہوں کہ پالنے والے ہم سب کو شہید کی سیرت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

آمین والحمد للہ رب العالمین۔